# ایثار و ہمدردی کے فضائل

تصنیفِ لطیف

حُضور فیض ملت مُفسر اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو صالح مفتی
محمد فیض احمد اُویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ



Owaisi Books
www.faizahmedowaisi.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دنیا میں ایثار و ہمدردی کی مِثال ماں سے دی جاسکتی ہے کہ بچے کی تربیت و پَرورش میں وہ سب کچھ کر گذرتی ہے جو اِمکانِ بشری (جہاں تک انسان سے ہو سکتا) ہے یہاں تک کہ سردیوں کی راتوں میں خود سردی کی لَپیٹ میں ہوتی ہے لیکن بچے کے لئے معمولی پریشانی بھی برداشت نہیں کرتی۔ فقیر کو ایثار و ہمدردی کا عملی طور پر اس وقت احساس ہوا جب مِنٰی شریف کی سخت دھوپ میں آسمان کے سایہ تلے بیٹھے تھے، پیاس سے بُرا حال ہو رہا تھا، کسی صاحبِ دل نے مشْرُوب پیش کیا۔ پیاس کی شدَّت سے آنکھیں بند کرکے پی رہا تھا کہ میرے پاس میرا حقیقی بڑا بھائی الحاج جام الٰہی بخش صاحب بیٹھا تھا وہ مجھ سے پیاس میں زیادہ جاں بلَب (مرنے کے قریب ہونے کی حالت میں) تھا۔ فقیر نے فوراً ہی اپنی پیاس کا زور توڑ کر بھائی صاحب کو مشرُوب دے دیا اس سے مجھے روحانی خوشی ہوئی اور اسی جذبہ پر رسالہ، "ایثار و ہمدردی" لکھا کہ شاید کسی اسلامی بھائی کو اس پاکیزہ فعل پر عمل کی توفیق ہو۔ ورنہ دورِ حاضرہ میں حال یوں ہے کہ باپ مر رہا ہے تو بیٹا تماشہ دیکھ رہا ہے بھائی کو بھائی کی جان و مال کا احساس نہیں۔ نَفْسِی نَفْسِی (خود غرضی) کا سَماں ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ فقیر کی مَسَاعِی (کاوشیں) قبول فرما کر میرے لئے اور ناشرین کے لئے مشعلِ راہ ہدایت بنائے۔ (آمین)

بجاہ حبیبه سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وآله واصحابه اجمعین

**قرآن مجید:** اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایثار و ہمدردی (دوسروں کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دینے) والوں کی بہت بڑی تعریف فرمائی ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (پ28، الحشر: 9)

**ترجمہ:** اور اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔

**شانِ نزول:** حدیث شریف میں ہے رسول کریم (ﷺ) کی خدمت میں ایک بھوکا شخص آیا۔ حضور ﷺ نے اَزواجِ مُطَہَّرات کے حُجروں پر معلوم کرایا کیا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ معلوم ہوا کہ کسی بی بی صاحبہ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ تب حضور ﷺ نے اَصحاب سے فرمایا جو اس شخص کو مہمان بنائے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حضور ﷺ سے اِجازت لے کر مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔ جاکر بی بی سے دَرْیافت (معلوم) کیا کچھ ہے؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں صرف بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بچوں کو بہلا کر سُلادو اور جب مہمان کھانا کھانے بیٹھے تو چراغ درست کرنے اُٹھو اور چراغ کو بُجھادو تاکہ وہ اچھی طرح کھالے یہ اس لیے تجویز کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اَہلِ خانہ (گھر والے) اس کے ساتھ نہیں کھا رہے کیونکہ اس کو یہ معلوم ہو گا تو وہ اِصرار (ضد) کرے گا اور کھانا کم ہے بھوکا رہ جائے گا اس طرح مہمان کو کھلایا اور خود اُن صاحبوں نے بھوکے رات گزاری۔ جب صبح ہوئی اور سیدِ عالم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورِ اقدس (ﷺ) نے فرمایا رات فلاں فلاں لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیا اللہ تعالیٰ ان سے بہت راضی ہے۔ [1]

[1] (صحیح مسلم، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، 1624/3، الحديث 2054، دار إحياء التراث العربي بيروت/ مرقاة المفاتيح، باب جامع المناقب، 4029/9، الحديث 6261،: دار الفكر، بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، 1422هـ 2002م)

**سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ:** یہ وہی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق " لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ "[2] آیت اُتری تو آپ رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ مجھے اپنا باغ بیر حاء (دورِ نبوی میں مدینہ منورہ کے سات مشہور کنوؤں میں سے ایک کنواں ہے۔) سب سے زیادہ محبوب ہے آپ کے باغات بھی تھے لیکن یہی باغ زیادہ مرغُوب (پسندیدہ) تھا۔ عرض کی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: محبوب مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرو اس لئے وہ اللہ عزوجل کے راستہ میں دیتا ہوں۔ آپ (ﷺ) جیسا مناسب سمجھیں اس کے مُوَافِق (مطابق) اس کو خرچ فرمادیں۔

حضور (ﷺ) نے بہت زیادہ مسَرَّت (خوشی) کا اِظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ بہت ہی عمدہ مال ہے۔ یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اَہلِ قرابت (رشتہ داروں) میں تقسیم کردو۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمادیا۔[3] (درمنثور للسیوطی)

**فائدہ:** بیرِ حاء مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے بِالْمُقابِل تھا (لیکن آج کل توسیع کی وجہ سے مسجد نبوی میں)۔ روح البیان میں ہے کہ: اس سے ثابت ہوا کہ بہتر مال اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں میں خرچ کرنا افضل ہے۔[4]

**درسِ ایثار از سرکار رحمت مدار ﷺ:** حضورِ اقدس (ﷺ) کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے اور بیدرد کافروں نے آپ رضی اللہ عنہ کے کان ناک وغیرہ اَعضا کاٹ دیئے اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے ظُلم کئے۔ لڑائی کے ختم پر حضور اکرم (ﷺ) اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم شہیدوں کی نعشیں (لاشیں) تلاش فرما کر ان کی تَجْہِیز و تَکْفِین (مردے کے کفن دفن) کا اِنتظام فرمارہے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا نہایت صدمہ ہوا اور ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا۔ اتنے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت صَفیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں کہ اپنے بھائی کی حالت کو دیکھیں حضور (ﷺ) نے اِس خیال سے کہ آخر عورت ہیں ایسے ظلموں کے دیکھنے کا تَحمُّل (برداشت) مشکل ہوگا۔ ان کے صاحبزادہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اِرشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کرو۔ انہوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) نے دیکھنے کو منع فرمادیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ میرے بھائی کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے۔ اللہ کے راستے میں یہ کون سی بڑی بات ہے ہم اس پر راضی ہیں۔ میں اللہ سے ثواب کی امید رکھتی ہوں اور ان شاءاللہ صبر کروں گی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور (ﷺ) سے جاکر اس کلام کو ذکر کیا تو حضور (ﷺ) نے اس جواب کو سُن کر دیکھنے کی اجازت عطا فرمادی۔ آکر دیکھا، اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور ان کے لئے اِستِغفار اور دعا کی۔[5] ایک روایت میں ہے کہ: غزوۂ اُحد میں جہاں نعشیں رکھی ہوئی تھیں ایک عورت تیزی سے آرہی تھی۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا دیکھو، عورت کو روکو، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ ہیں۔ میں جلدی سے روکنے کے لئے بڑھا مگر وہ قَوی (طاقتور) تھیں ایک گھونسا مجھے مارا اور کہا پیچھے ہٹ، میں نے کہا حضور (ﷺ) نے منع فرمایا ہے تو فوراً کھڑی ہوگئیں۔ اس کے بعد دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ: میں اپنے بھائی کے کفن کے لئے لائی تھی کہ میں ان کے اِنتقال کی خبر سُن چکی تھی۔ اُن کپڑوں میں ان کو کفنا دینا۔ ہم لوگ وہ کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفنانے لگے کہ برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے جن کا نام حضرت سُہیل (رضی اللہ عنہ)

---

[2] سورۃ آل عمران: 92 ترجمہ: تم ہر گز بھلائی کو نہ پہنچو گے۔

[3] (الدر المنثور، سورۃ آل عمران تحت آیت 92، 259/2، دار الفکر بیروت)

[4] (روح البیان، سورۃ آل عمران تحت آیت 92، 63/2، دار الفکر بیروت)

[5] (الدر المنثور، سورۃ آل عمران تحت آیت 92، 259/2، دار الفکر بیروت)

تھا۔ان کا بھی کُفّار نے ایسا ہی حال کر رکھا تھا جیسا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو۔اس لئے ہم نے دونوں کے لئے ایک ایک کپڑا تجویز کر دیا مگر ایک کپڑا ان میں بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا تو ہم نے قُرْعَہ ڈالا کہ قُرْعَہ میں جو کپڑا جن کے حصہ میں آجائے گا وہ ان کے کفن میں لگا دیا جائے۔قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا اور چھوٹا کپڑا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا جو ان کے قدم سے بھی کم تھا اگر سر کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر کھل جاتا۔حضور اکرم(ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ: سر کو کپڑے سے ڈھانک دو اور پاؤں پر پتے وغیرہ ڈال دو۔[6] ابنِ سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جب دو کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نَعْش (لاش) پر پہنچیں تو ان کے قریب ہی ایک اَنصاری اسی حال میں پڑے ہوئے تھے تو ایک ایک کپڑے میں دونوں کو کفن دیا گیا۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن چھوٹا تھا۔[7]

**حضرت صدیق اکبر رضی اللّٰہ عنہ کا ایثار:** جب حضور اکرم(ﷺ) نے شام کی طرف لشکر کشی کا مُصَمَّم ارادہ(پختہ ارادہ) فرمالیا تو صحابہ کرام کو قَبَائِل(قبیلوں) کی طرف لشکر جمع کرنے کے لئے بھیجا اور ہر اس شخص کو جو جس قبیلہ کی طرف تھا اسے اسی قبیلہ کی طرف لشکر اور ساز و سامان جمع کرنے کے لئے بھیجا۔اور صحابہ وسپاہ کی تیاری اور فقراء و مساکین پر تَصَدُّق واِنْفَاق(صدقہ کرنا،دولت نچھاور کرنا) اور راہِ خدا میں اعانت وجہاد(امداد و جہاد) کی ترغیب وتحریص(رغبت) فرمائی۔ہر شخص نے اپنی ہِمَّت وطاقت اور حوصلہ واِمکان کی حد تک لشکر کی تیاری میں اِمداد کی اور مال ومَتاع(روپیہ پیسہ) خرچ کیا۔چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال واسباب اٹھا کر لے آئے اور جو کچھ تھا راہِ خدا میں صرف(خرچ) کر دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال جتنا بھی ان کی ملکیّت میں تھا جدا کر کے لے آئے۔[8] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: جب رسولِ خدا(ﷺ) نے لشکرِ تبوک کی تیاری کا شوق دلایا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج تو میں حضرت ابو بکر صدیق(رضی اللہ عنہ) پر سَبْقَت(بازی) لے جاؤں گا آج تو میرے پاس بہت مال ہے جس میں سے آدھے مال کو حضور اکرم(ﷺ) کی خدمت میں لے آیا۔حضور اکرم(ﷺ) نے دریافت فرمایا "اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟" میں نے عرض کیا "اتنی مقدار میں ان کے لئے چھوڑ دیا ہے" اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور جتنا کچھ مال ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ان سے بھی حضور اکرم(ﷺ) نے پوچھا "اپنے اِہل وعیال(گھر والوں) کے لئے کتنا ذَخیرہ چھوڑا ہے؟" انہوں نے کہا" أبقيت لهم الله ورسوله" میں نے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔"اس پر حضور اکرم(ﷺ) نے فرمایا: "ما بينكما ما بين كلا ميكما"[9] تمہارے درمیان میرا فرق مراتب تَفاوُت(ایک دوسرے سے فاصلہ) اتنا ہی ہے جتنا تمہاری ان دو باتوں کے درمیان" پھر میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا "میں آپ سے کسی بات میں سَبْقَت نہیں کر سکتا۔"[10]

---

[6] (مسند احمد، باب مسند الزبير بن العوام رضى الله عنه، 2/195الى 196. : دار الحديث – القاهرة، الطبعة: الأولى، 1416 هـ 1995 م)

[7] (طبقات الكبرى، باب الحسن بن ابى الحسن، 114/7، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة: الأولى، 1410 هـ 1990 م)

[8] (سنن ابى داود كتاب الزكاة، بَابُ فِي الرخصة في ذالك، 129/2الحديث 1678، المكتبة العصرية، صيدا بيروت)

[9] (روح البيان، سورة التوبة تحت آيت 79، 472/3، دار الفكر بيروت)

[10] (سنن الترمذى ، ابواب المناقب، بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَاسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ وَلَقَبُهُ عَتِيقٌ، 614/5الحديث 3675، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي مصر ،الطبعة: الثانية، 1395 هـ 1975 م)

**حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اِیثار:** امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خِلافت کے زمانہ میں بسا اوقات (کبھی کبھار) رات کو چوکیداری کے طور پر شہر کی حفاظت بھی فرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ اسی حالت میں ایک میدان میں گذر ہوا۔دیکھا کہ ایک خیمہ بالوں کا بنا ہوا لگا ہوا ہے جو پہلے وہاں نہیں دیکھا تھا اس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک صاحِب وہاں بیٹھے ہیں اور خیمہ سے کچھ کَراہنے (کسی مرض یا زخم کی شدّت سے درد) کی آواز آرہی ہے۔سلام کر کے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ایک مسافر ہوں جنگل کا رہنے والا ہوں۔امیر المومنین کے سامنے کچھ اپنی ضرورت پیش کر کے مدد چاہنے کے واسطے آیا ہوں۔دریافت فرمایا کہ یہ خیمہ میں سے آواز کیسی آرہی ہے۔اُن صاحب نے کہا جاؤ میاں اپنا کام کرو۔آپ نے اِصرار فرمایا کہ نہیں بتا دو کچھ تکلیف کی آواز ہے۔ان صاحب نے کہا کہ وِلادت (پیدائش) کا وقت قریب ہے، دَردِزِہ (وہ تکلیف جو حاملہ کو بچے کی پیدائش سے کچھ دیر پہلے شروع ہوتی ہے) ہو رہا ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ کوئی دوسری عورت بھی پاس ہے انہوں نے کہا کوئی نہیں، آپ وہاں سے اٹھے اور مکان تشریف لے گئے اور اپنی بیوی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: ایک بڑے ثواب کی چیز مقدّر (جو چیز تقدیر میں لکھی ہوئی ہو) سے تمہارے لئے آئی ہے۔انہوں نے پوچھا کیا ہے۔آپ نے فرمایا ایک گاؤں کی رہنے والی بیچاری تنہا ہے اس کو دَردِزِہ ہو رہا ہے۔انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: ہاں ہاں تمہاری صلاح (رائے) ہو تو میں تیار ہوں۔اور کیوں نہ تیار ہوتیں کہ یہ بھی آخر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہی صاحبزادی تھیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ولادت کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہو، تیل، گُوْدَڑ (کپڑے کے ٹکڑے) وغیرہ لے لو اور ایک ہانڈی (برتن) اور کچھ گھی اور دانے وغیرہ بھی ساتھ لے لو۔وہ لے کر چلیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود پیچھے پیچھے ہو لئے۔وہاں پہنچ کر اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا تو خیمہ میں چلی گئیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے آگ جلا کر اس ہانڈی میں دانے اُبالے گھی ڈالا اتنے میں ولادت سے فراغت ہو گئی۔اندر سے حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا نے آواز دے کر عرض کیا۔امیر المومنین اپنے دوست کو لڑکا پیدا ہونے کی بَشارت (خوشخبری) دیجئے۔امیر المومنین کا لفظ جب ان صاحب کے کان میں پڑا تو وہ بڑے گھبرائے۔آپ نے فرمایا گھبرانے کی بات نہیں۔وہ ہانڈی خیمہ کے پاس رکھ دی کہ اس عورت کو بھی کچھ کھلا دیں۔حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اس کو کھلایا۔اس کے بعد ہانڈی باہر دیدی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بَدّو (دیہاتی) سے کہا کہ لو تم بھی کھاؤ۔رات بھر تمہاری جاگنے میں گذر گئی۔اس کے بعد اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لے آئے اور ان صاحب سے فرمادیا کہ کل آنا تمہارے لئے اِنتظام کر دیا جائے گا۔[11]

**تبصرۂ اویسی غفرلہٗ:** ہمارے دور کے وزیر اعظم تو در کنار ایک معمولی ممبر (Member) بھی ایسا نہیں نظر آتا جو کسی اَجنبی مسافر تو بڑی بات ہے اپنے ہمسایہ غریب (غریب پڑوسی) یا اپنا کوئی عزیز ہو اس کے لئے ایسی ہمدردی اور ایثار کر دکھلائے۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شخصیت اپنے مقام و مرتبہ پر سبحان اللہ۔یہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا و سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جگر گوشہ ہیں کہ ایک معمولی اجنبی مسافر کے لئے جنگل میں نہ صرف اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے رہی ہیں بلکہ دردزہ کی درد کی ماری کے لئے اتنے آرام و سکون کے اَسباب کہ کھانا پکا کر ساتھ لائی ہیں۔

**حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اِیثار:** غزوۂ تبوک (رسول خدا ﷺ کے غزوات میں سے آخری غزوہ ہے۔) کے موقعہ پر آپ حضور (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یہ دو سو اونٹ جن پر پالان[12]، پوشش (اوپر ڈالنے کا کپڑا) اور چادر وغیرہ پڑے ہوئے ہیں ہر طرح مکمل ہیں مع

---

[11]) (التبصرة لابن الجوزی باب المجلس التاسع والعشرون ، 1 / 427 الی 428 دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان ، الطبعة: الأولى، 1406 ھ 1986 م)

[12]) (وہ کپڑا جو اونٹ یا گدھے کی کمر اور پیٹھ کو بوجھ کی رگڑ سے حفاظت کے واسطے پشت پر ڈال دیتے ہیں۔)

دو سو اوقیہ[13] چاندی، پیش خدمت ہیں۔ان سے لشکر کی ضروریات مکمل فرمائیے۔ایک روایت میں ہے کہ تین سو اونٹ چہار بستہ مکمل اور ایک مثقال (ایک طلائی دینار کا وزن ایک مثقال ہوتا ہے، جو 25۔4 گرام ہوتا ہے۔) سونا لائے اور حضور اکرم (ﷺ) کے آگے ڈال دیا۔ حضور اکرم (ﷺ) نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ ، فَإِنِّي عَنْهُ رَاضٍ[14] یعنی اے خدا عثمان سے راضی ہو بلاشبہ میں تو ان سے راضی ہو گیا۔

اربابِ سیر (مؤرخین) کہتے ہیں کہ: غزوۂ تبوک میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) کا لشکرِ اسلام تھا اس میں سے دو تہائی لشکر کا سامان حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ نے فراہم کیا تھا اور من جهز جيش العسرة فله الجنة (جو جیش عسرت کی تیاری میں سامان فراہم کرے اس کے لئے جنت ہے۔) کی بشارت سے مشرف ہوئے۔[15] نیز مروی ہے کہ حضور اکرم (ﷺ) نے فرمایا "اے خدا قیامت کے دن عثمان سے حساب اٹھادے۔[16]" مواہب لدنیہ میں قتادہ سے مروی ہے کہ: حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے جیشِ عُسرت (یعنی غزوۂ تبوک) میں ہزار اونٹ (۱۰۰۰) اور سات سو (۷۰۰) گھوڑے سواری کے دیئے اور عبدالرحمن بن سمرہ سے مروی ہے کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار اپنی آستین میں لائے جس وقت کہ جَیشِ عُسرت کی تیاری کی جارہی تھی اُنہوں نے وہ سب حضور (ﷺ) کے پہلو میں اُلٹ دیئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسولِ خدا (ﷺ) ان دیناروں کو غور سے مُلاحظہ فرمارہے تھے اور فرمایا "عثمان آج کے بعد جو کرے انہیں نقصان نہ کرے گا"۔[17] ایک روایت میں آیا ہے: "غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا أَسْرَرْتَ وَمَا أَعْلَنْتَ"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اے عثمان تمہیں بخش دیا وہ سب جو ظاہر تم سے ہو اور جو چھپا کر تم سے ہو۔[18]

اور حضور اکرم (ﷺ) کا توجہ اور اِلتِفاتْ (محبت) سے ملاحظہ فرمانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر عَیاں (ظاہر) کرنے کے لئے تھا کہ جو کچھ وہ لائے بہت لائے تاکہ وہ اس قبولیت سے خوشی و مسرّت محسوس کریں۔ایک روایت میں ہے کہ: دس ہزار (۱۰۰۰۰) دینار لائے۔[19] اور حضور اکرم (ﷺ) کا یہ فرمانا کہ "اس کے بعد جو کچھ کریں کچھ نقصان نہ دے گا"۔اس میں عفو و درگزر کی بشارت (خوشخبری) ہے کہ جو بھی گناہ و غلطی کی قسم میں سے صادر ہو وہ سب معاف ہے۔یہ مضمون اس اِرشاد کے موافق ہے جو اہلِ بدر کے لئے فرمایا: "لَعَلَّ اللّٰهَ عزَّ وجلَّ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ "[20]

یعنی اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: جو بھی عمل تم سے (از قسم تقصیر صادر ہوں) میں نے تمہیں معاف فرمادیا ہے۔

**ایثارِ اہل بیت رضی اللّٰہ عنہم:** حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروہ ہے کہ: یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی کنیز فضّہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے ان حضرات کو حضور سرور عالم (ﷺ) نے فرمایا کہ: اگر منّت

---

[13] (مشہور وزن ہے جس کی جمع اواق ہے جو اکثر عرب اور اسلامی اصطلاحات میں استعمال ہوتا ہے۔فقہا کے نزدیک ایک اوقیہ 40 درہم کا ہوتا ہے۔)

[14] (روح البيان، سورة التوبة تحت آيت 79، 472/3، دار الفكر بيروت)

[15] (صحيح البخاری، كتاب الوصايا، باب إذا وقف أرضا أو بئرا، واشترط لنفسه مثل دلاء المسلمين، 13/4، الحديث 2778، دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، 1422هـ)

[16] (الرياض النضرة في مناقب العشرة، الفصل السادس في خصاصه 79، 31/3، دار الكتب العلمية)

[17] (مواهب اللدنية، باب غزوة تبوک، ، 419/1، المكتبة التوفيقية، القاهرة مصر)

[18] (مواهب اللدنية، باب غزوة تبوک، ، 420/1، المكتبة التوفيقية، القاهرة مصر)

[19] (مواهب اللدنية، باب غزوة تبوک، ، 420/1، المكتبة التوفيقية، القاهرة مصر)

[20] (صحيح البخاری، كتاب الجهاد والسير، باب إذا اضطر الرجل إلى النظر، 76/4، الحديث 3081، دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، 1422هـ)

م انو تو صاحبزادے شفایاب ہو جائیں گے۔ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر مانی اللہ تعالیٰ کے تقرّب اور اس کی رضاجوئی (اللہ کی مرضی پر چلنے کی آرزو) اور صاحبزادوں کی صحت و شکر میں۔اللہ تعالیٰ نے شہزادگان کو صحت دی۔نذر کی وفا (وعدہ پورا کرنے) کا وقت آیا سب صاحبوں نے روزے رکھے۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک یہودی شمعون خیبری سے تین صَاع (صاع ایک پیمانہ ہے) جو لائے۔[21] بہر حال خاتونِ جنت نے ایک صاع ایک دن پکایا جب اِفطار کا وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک سائل آیا عرض کی: اے محمد (ﷺ) کے گھرانے والو! میں ایک مِسکین مسلمان بھوکا ہوں مجھے طعام (کھانا) کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان عطا فرمائے۔چونکہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پانچ ٹکڑے ہر ایک کے لئے علیحدہ پکا کر ہر ایک کے آگے رکھا تھا اسی لئے سب نے اپنا اپنا حصّہ اٹھا کر مسکین کو دے دیا۔[22] مروی ہے کہ جب مسکین کی آواز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان مبارک میں گونجی تو

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

فاطم ذات المجد واليقين　　يا بنت خير الناس أجمعين

اما ترين البائس المسكين　　قد قام بالباب له حنين

يشكوا الى الله ويستكين　　يشكو إلينا جائعا حزين

**ترجمہ:** اے فاطمہ بُزُرگی (شرافت) اور یقین والی۔اے تمام لوگوں سے بہتر شخصیت (ﷺ) کی صاحبزادی۔کیا کمزور مسکین کو نہیں دیکھ رہی ہو جو ہمارے دروازے پر کھڑا زاریاں (گریہ وبکا، آہ وفریاد) کر رہا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں شکایت اور عاجزی کر رہا ہے۔جو غمگیں ہو کر ہمیں بھوک کا شکوہ سنا رہا ہے۔

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا:

أمرك يا ابن عم سمع طاعة　　ما بي من لؤم ولا ضراعه

أرجو إذا أشبعت ذا مجاعه　　ألحق بالأخيار والجماعه

وأدخل الخلد ولى شفاعه

**ترجمہ:** تیرا حکم اے چچازاد سر آنکھوں پر مجھے اس سے نہ مَلامت (شرمندگی) ہے نہ زاری۔جب تم بھوکے کا پیٹ بھر وگے تو میں حق کی اُمید رکھتی ہوں ایسے اخبار (حدیثوں) میں ہے اور سب کا اِتفاق ہے۔اور بَہشت (جنت) میں داخل ہوگی اور مجھے شَفاعت (ابا ﷺ) کی نصیب ہوگی۔

تمام طعام اٹھا کر مسکین کو دے دیا اور خود بھوک پر صبر کیا اور رات بسر کی اور صرف پانی پر گزارا کیا اور دن کو پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا صاع پیس کر پکایا اور افطار کے وقت تمام جمع ہوئے طعام سامنے تھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے کہ باہر سے کسی نے آواز دی کہ السلام علیکم اے حضرت محمد

---

[21] (صاع چار مد کا ہے ہر مد رطل اور تہائی رطل کا ہے۔حضرت داؤدی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اس کا معیار مرد کے چار چُلوں سے مختلف نہیں لیکن مرد نہ تو بڑی ہتھیلی والا ہو نہ چھوٹی کا، درمیانہ ہو اس لئے کہ ہر جگہ نبی پاک (ﷺ) کا صاع نہیں ملتا۔)

[22] (التفسير المظهري ، سورۃ الانسان تحت آیت 9، 155/10، مكتبة الرشدية –الباكستان، الطبعة: 1412 ھ)

(ﷺ) کے گھرانے والو! میں مہاجرین کا ایک یتیم ہوں میرا باپ یَومُ العُقبہ[23]میں شہید ہوا۔ براہِ کرم مجھے طعام کھلاؤ اللہ تمہیں جنت کے دستر خوان عطافرمائے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب یتیم کی آواز سنی تو حضرت خاتون جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

انی لأعطیه ولا أبالی　　　　واو ثر الله علی عیالی

امسوا جیاعا وهمو أشبالی　　　　أصغرهم یقتل فی القتال

**ترجمہ:** میں اپنا طعام یتیم کو دیتا ہوں اور اس کی مجھے پرواہ نہیں اور میں اپنے بچوں پر یتیم کو ترجیح دیتا ہوں اور وہ بھوکے رہیں لیکن طعام اس بچے کو دوں گا جس کا باپ جنگ میں شہید ہوا۔

چنانچہ تمام صاحبان نے جو تمام طعام آگے رکھا تھا یتیم کو دے دیا اور خود بھوکے سوگئے۔ تیسرے روز حسبِ سَابِق بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع جو کا آٹا پیس کر پکایا۔ شام کو اِفطار کے لئے تمام اکھٹے ہوئے، طعام سامنے رکھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے تو باہر سے آواز آئی السلام علیکم اے اہل بیت نبوت! میں قیدی ہوں مجھے طعام کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان سے کھلائے۔ سب نے اپنا طعام اٹھا کر قیدی کو دے دیا۔

**بھوک سے نڈھال کنبہ:** چوتھے روز شہزادے حسنین رضی اللہ عنہما ہاتھ میں ہاتھ ملا کر بارگاہِ حبیبِ خدا (ﷺ) میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ شہزادے بھوک سے چوزہ (کمزوری کی وجہ سے) کی طرح ہیں اور کانپ رہے ہیں۔ شہزادے یہ کیا ہے۔ شہزادوں نے ماجرا (معاملہ) سنایا تو حضور پاک (ﷺ) اٹھ کر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ محراب میں بیٹھی ہیں لیکن بھوک کی وجہ سے پیٹ پیٹھ سے لگ چکا ہے اور آنکھیں دھنس گئی ہیں۔ آپ کو یہ معاملہ ناگوار (خلاف طبیعت) گذرا تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کی اے مُحَمَّدِ عربی (ﷺ) اللہ تعالیٰ آپ کو اہلِ بیت کے بارہ میں خُوشگوار فرمائے۔ لیجئے یہ سورۃ (هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ) اور یہ انہیں پڑھ کر سنایئے۔[24]

## تردید شیعہ:

۱) اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اَبرَار (نیکو کار لوگ) صرف اہلِ بیت ہیں اور کوئی نہیں۔ کیونکہ قاعدہ تفسیر مسلّمہ جانبین ہے کہ آیتِ خُصُوص عُمُوم کے مُنافی نہیں ہوتی فلہٰذا مورِدِ خاص ہے تو حکم عام ہے یعنی عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خُصوصی سبب کا اِسی لئے اس میں بحَسبِ اِشْتِرَاکِ عَمَل اہلِ بیت کے سِوا اور حضراتِ صحابہ واولیاء داخل ہیں۔

۲) راوی کے ضُعْف (کمزوری) سے قِصّہ ضَعِیف[25] ہو جاتا ہے یہ بھی قصہ ایسا ہی ہے لیکن چونکہ علماءِ کرام میں یہ قصہ مشہور ہے اور کُتُب میں مَسْطُور (لکھا ہوا) ہے اس لئے اہلِ بیت کی فضیلت سے انکار نہیں لیکن عقیدہ کی بنیاد یا کوئی حکمِ شرعی اس سے مُسْتَنْبَط (اخذ) نہیں ہوگا۔[26]

---

[23] (یوم عقبہ سے مراد ہے عقبہ کے میدان میں تبلیغ کا دن، عقبہ پہاڑ کے راستہ کو کہتے ہیں۔)

[24] (روح البیان، سورۃ الانسان تحت آیت 10 الی 15، جلد 10 ص 268 الی 269، دار الفکر بیروت)

[25] (علم حدیث میں اس سے مراد وہ حدیث ہے جس کے راویوں میں کوئی ایک یا زیادہ اشخاص نیک اخلاق کے مالک نہ ہوں یا ان کا حافظ کمزور ہو۔

[26] (روح البیان، سورۃ الانسان تحت آیت 10 الی 15، 269/10، دار الفکر بیروت)

۳) حضرت حکیم ترمذی رحمۃاللہ علیہ (باوجودیکہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے عشّاق سے ہیں وہ بھی) فرماتے ہیں: "هذا حديث مفصل لا يروح الا على أحمق وجاهل" یہ حدیث موضوع منگھڑت ہے اسے رواج نہیں دے گا سوائے اَحمق اور جاہل کے اور ابنِ الجوزی رحمۃاللہ علیہ نے اسے موضوع[27] کہا ہے اور رِوایت سے ثابت کیا ہے کہ اس روایت کے موضوع ہونے میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں۔[28]

**تحقیق صاحبِ روح البیان:** صاحبِ روح البیان قدس سِرّہٗ نے فرمایا کہ: صحت روایت کا تقاضا یوں ہو سکتا ہے کہ آیت مدنیہ ہو کیونکہ نبی پاک (ﷺ) نے غزوۂ اُحد کے بعد ہی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا اور جُمہور مُفَسِّرین نے فرمایا کہ: هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ[29] مکیہ ہے۔[30]

**تحقیق سورۃ دھر مدنیہ ھونے کی:** علامہ فناری رحمۃاللہ الباری نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں فرمایا اور بہت بڑے اکابر علماء سے نقل کیا کہ: سورۃ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ (الدہر) مدینہ پاک میں نازل ہوئی۔ ایسے ہی مجاہد و قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا سوائے ایک آیت کے وہ ہے:

وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا[31]

کہ یہ مکیہ ہے۔ ایسے ہی حضرت حسن و عکرمہ رضی اللہ عنہما اور الماوردی رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا کہ: یہ سورۃ مدنیہ ہے سوائے آیت فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ الی الآخر کے یہ مکیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیدی کی حاضری مدینہ پاک میں ہوگی کیونکہ آیۃ قِتال کے بعد ہی قیدی کا سوال ثابت ہو سکتا ہے (کیونکہ قتال سے پہلے قیدی کہاں) اور سب کو معلوم ہے کہ جہاد کا حکم مدینہ پاک میں ہوا اور یہ بھی ہے آیاتِ مکیہ کو آیاتِ مدنیہ سے ملایا جاتا ہے اسی لئے ایسی سورۃ کے لئے تم کہہ سکتے ہو کہ وہ سورۃ مکیہ ہے یا وہ سورۃ مدنیہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سورۃ (دہر) کی آیات زیادہ مدنیہ ہیں اور اہلِ تفسیر کا قاعدہ ہے کہ جس سورۃ کی آیات جس طرح کی زائدہ ہوں اسی نام سے موسوم ہوتی ہیں اسی لئے یہ سورۃ مدنیہ ہونے کی حقدار ہے نہ کہ مکیہ کی۔

**ایمان افروز فیصلہ:** صاحبِ روح البیان رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا: نحن لا نشك في صحة القصة[32] (والله اعلم) یعنی ہم قصہ کی صحت (درستگی) میں شک نہیں کرتے۔

**تبصرۂ اویسی غفرلہٗ:** قصہ صحیح ہے تو اس سے روافض اہلبیت کرام کی فضیلت سے خلافتِ بلا فصل یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اوّل کے لئے نَصِّ قَطعی ضروری دوسرے کے لئے جُزْوِی فضیلت کو کُلّی فضیلت پر ترجیح کیوں؟

---

[27] (علمِ حدیث میں موضوع سے مراد وہ حدیث ہے جس کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ وہ وضع کی ہوئی، جھوٹی اور بناوٹی ہے۔ اس کی جمع موضوعات ہے۔)

[28] (التفسير المظهری، سورۃ الانسان تحت آیت 9، 155/10، مکتبة الرشدية – الباكستان، الطبعة: 1412 ھ)

[29] سورۃ الدھر: 1 هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــٴًـا مَّذْكُوْرًا ترجمہ: بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔

[30] (روح البیان، سورۃ الانسان تحت آیت 10 الی 15، 269/10، دار الفكر بيروت)

[31] سورۃ الدھر: 24 فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ترجمہ: تو اپنے رب کے حکم پر ڈٹے رہو اور ان میں کسی گنا ہگار یا ناشکری کرنے والے کی بات نہ سنو۔

[32] (روح البیان، سورۃ الانسان تحت آیت 13، 269/10، دار الفكر بيروت)

**ابوذرغفاری کاایثار:** فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کادربارِ خلافت کھلا ہوا تھا۔ مقدّمات (مقدمے) پیش ہو رہے تھے۔

مظلوموں کی دادرسی (فریاد سُننے) کا سلسلہ جاری تھا کہ ناگہاں (اچانک) ایک خوبصورت نوجوان کو دو طاقتور آدمی پکڑے ہوئے لائے اور فَریاد (ظلم وزیادتی کی شکایت) کی:

**امیرالمومنین:** اس ظالم سے ہمارا حق دلوایا جائے۔ یہ ہمارے بوڑھے باپ کا قاتل ہے۔

امیرُالمومنین نے خوبصورت نوجوان کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "تم صفائی میں جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہہ سکتے ہو۔"

**نوجوان:** میرا اونٹ ایک باغ میں چلا گیا۔ باغ کے بوڑھے مالک نے پتھر مار کر میرے اونٹ کی آنکھ پھوڑ دی۔ میں نے بھی طَیش (غصے) میں پتھر کھینچ کر اسے مارا۔ میرا ارادہ اس کے قتل کا نہیں تھا۔ لیکن میری شَامَت (بدقسمتی) سے وہ مر گیا۔

**امیرالمومنین:** چونکہ تم نے اقبالِ جُرم (جرم قبول) کر لیا اس لئے اسلام کے قانونِ تعزیرات (سزاؤں کے قوانین) کے مطابق تم سے قصاص (بدلہ) لیا جائے گا۔ خون کا بدلہ خون۔

**نوجوان:** اسلام کے قانون اور عدالت کے سامنے میں اپنا سَرِ تَسْلیم خَم (فرمانبرداری) کرتا ہوں۔ لیکن اتنی بات عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ میرا ایک نابالغ بھائی ہے۔ باپ نے مرتے وقت اس کے حصہ کا سونا میرے حوالہ کیا تھا۔ میں نے اسے ایک ایسی جگہ دفن کر دیا ہے جس کا علم میرے سوا کسی کو نہیں۔ اگر میں سونا اس کے حوالے نہ کر سکا تو قیامت کے دن اپنے باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ اس لئے مجھے تین دن کی مُہلت دی جائے میں اپنے فرض سے سُبُک دوش (ذِمہ داری سے فارغ) ہو کر واپس آجاؤں تو مجھ پر قصاص جاری کیا جائے۔

امیر المومنین نے تھوڑی دیر غور کے بعد فرمایا۔ عدالت کے سامنے اپنا ضامن (ضمانت دینے والا شخص) پیش کرو۔ نوجوان نے حاضرینِ مجلس پر ایک اُمید بھری نگاہ ڈالی ساری مجلس میں کوئی اس کا شَناسا (جاننے والا) نہ تھا۔ مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک صحابیِ رسول حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور آواز دی۔ امیر المومنین! میں اس جوان کا ضامن ہوتا ہوں اسے تین دن کی مہلت پر رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک جَلِیلُ الْقَدْرْ (بڑے رتبے والے) صحابی کی ضمانت پر نوجوان کو رہا کر دیا گیا۔

**منظر انتظار:** آج تیسرا دن تھا۔ دربارِ خِلافت کَھچا کَھچ (گنجائش سے زیادہ) بھرا ہوا تھا دونوں مُدَّعی (دعویٰ کرنے والے) بھی حاضر تھے حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے لیکن نوجوان ابھی پلٹ کر نہ آیا تھا۔ جُوں جُوں (جیسے جیسے) انتظار کا لمحہ گزرتا جاتا تھا لوگوں کی تَشْوِیش (پریشانی) بڑھتی جاتی تھی۔

**مدعیوں نے کہا:** ابوذر! ہمارا مُجرم کہاں ہے؟ جواب دیا "تیسرے دن کا پورا حصہ جب تک نہ گزر جائے اس کا انتظار کرو اگر وہ وقتِ مقررہ پر نہیں آیا تو قصاص کے لئے میری گردن حاضر ہے۔"

حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے اس جواب پر صحابہ کرام آب دِیدَہ ہوگئے اور ان کا اِضْطِرَاب (بے چینی) بڑھ گیا۔ صحابہ نے بڑی لِجاجَت (عاجزی) کے ساتھ نو عمر (نوجوان) مدعیوں سے کہا۔ تم خون بَہا (جان کا معاوضہ) قبول کر لو۔ مدعیوں نے جواب دیا ہم خون کا بدلہ خون چاہتے ہیں۔ اُمید وبِیم (کامیابی اور ناکامی کی درمیانی حالت)

کا یہی عالم تھا کہ سامنے اُڑتا ہوا غبار نظر آیا۔ گرد ہٹی تو پسینے میں شرابور (سر سے پاؤں تک بھیگا ہوا) مُجرم (نوجوان) سامنے کھڑا تھا۔ تماشائیوں کی آنکھیں حیرت (تعجب) سے پھٹی کی پھٹی (ہولناکی کا ایک منظر) رہ گئیں۔

امیر المومنین نے نوجوان سے مخاطب ہو کر فرمایا"سزا تمہیں بعد میں دی جائے گی پہلے ایک بات سنو! تمہیں تین دن کی مہلت ملی۔ تمہارا پتہ نشان بھی کسی کو نہیں معلوم تھا۔ سزائے موت سے بچنے کے لئے تم فرار بھی ہو سکتے تھے۔؟ (پھر تم کیسے پہنچے)

نوجوان مجرم نے بھیگی پلکوں کے سائے میں کھڑے ہو کر جواب دیا"امیر المومنین! میں فرار ہو کر کہاں جاتا؟ یہاں نہ سہی۔ وہاں سزا ملتی لیکن اسلام کے دشمن یہ طعنہ دیتے کہ محمد (ﷺ) کے غلام عہد شکن ( قول واقرار سے پھر جانے والے) ہوتے ہیں۔اس لئے میں نے سوچا کہ زمین پر میرے خون کا دھبہ چند دنوں کے بعد مٹ جائے گا لیکن عہد شکنی کا دھبہ اسلام کے دامن پر ہمیشہ کے لئے نمایاں رہے گا۔"نوجوان کے اس بیان پر لوگوں کے دل بھر آئے آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور اسلام کی اس رِقّت انگیز محبت پر صحابہ کرام کا پیمانہ اور لبریز ہو گیا۔

اب امیر المومنین۔حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے کہ "ابوذر! تم بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے شخص کے ضامن بن گئے جس کے ساتھ نہ تمہاری کوئی شناسائی تھی نہ اس کے پتہ و نشان سے تم واقف تھے۔ایک راہ گیر (مسافر) پردیسی کی سزائے موت کا بار (بوجھ) تم نے اپنے سر لے کر کتنا اَلمناک (دردناک) اِقْدام کیا؟ اگر خدانخواستہ وہ نہ آتا تو آج ابوذر کے معاملہ میں اہل مدینہ کا کیا حال ہوتا؟"

ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے "امیر المومنین! ایک ابوذر نہیں' ایک ہزار ابوذر سرکار ﷺ کی ادائے رحمت پر قربان ہیں۔ایک غریبُ الوَطن (مسافر) مجرِم تاجدار کونین ﷺ کے غلاموں کے درمیان کھڑا اپناہ ڈھونڈ رہا تھا اس کے چہرے کی اَفْسُردگی (مایوسی) اور نگاہوں کا یاس (نا اُمیدی) مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ میں نے سوچا! وقت کا قافلہ گزر جائے گا نشانِ قدم باقی رہے گا کہیں آنے والی دنیا یہ نہ کہہ دے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کے غلاموں میں اتنی بھی غمگساری (ہمدردی) کا جذبہ نہیں تھا کہ اپنے ہی ایک بھائی کو تین دن کیلئے پناہ دے دیتے۔"

امیر المومنین کیا یہ طعنہ کہ مدینۃُ النبی کی بھری آبادی میں ایک غریبُ الوطن مجرم کو کوئی ضامن نہ مل سکا۔ ہمیں مر جانے کے لئے کافی نہ تھا؟ ہم ضامن نہ ہوتے جب بھی آج ہماری موت کا دن تھا۔ حضرت ابوذر جواب دے کر جونہی بیٹھے۔ دونوں مدعی کھڑے ہو گئے۔[33]

**مُدَّعِی برادران:** "امیر المومنین! تاریخ اسلام کی شاہراہ روشن کرنے میں ہم کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔ ہم کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ آنے والا مؤرِّخ سرکار ﷺ کے غلاموں کو یہ طعنہ دے کہ ان میں اِتنا بھی جذبہ رحم نہیں تھا کہ وعدہ پورا کرنے اور واپس لوٹ کر آنے والے مجرم کو معاف کر دیتے۔"

امیر المومنین گواہ رہئیے! کہ ہم اپنے باپ کے خون کا دعویٰ واپس لیتے ہیں اور دل کی اتھاہ گہرائی سے اپنے ایک بھائی کو معاف کرتے ہیں۔

---

[33] (نوادر الخلفاء المشهور بـ«إعلام الناس بما وقع للبرامكة مع بني العباس»، باب عمر والشاب القاتل وأبو ذرّ، 12/1، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة: الأولى، 1425 هـ 2004 م)

**حضرت ابوذر غِفاری رضی اللّٰہ عنہ کا دوسرا واقعہ:** حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے پاس چند اونٹ تھے۔ اور ایک ناتواں ضعیف (کمزور) ساچرواہا تھا جو ان کی خَبَر گیری (نگرانی) کرتا تھا اسی پر گُذر تھا۔ ایک شخص قبیلہ بنو سلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمنّا (خواہش) ظاہر کی کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے فُیُوض سے اِستِفادَہ (فائدہ) حاصل کروں۔ حضرت ابوذر غِفاری نے ارشاد فرمایا کہ: میرا دوست وہ ہے جو میری اِطاعت کرے اگر تم بھی میری اِطاعت کے لئے تیار ہو شوق سے رہو۔ کہنا نہ مانو تو تمہاری ضرورت نہیں۔ سلیمی صاحب نے عرض کیا کہ کس چیز میں آپ اپنی اطاعت چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ: جب میں اپنے مال میں سے کسی چیز کے خرچ کا حکم کروں تو عُمدہ سے عُمدہ مال خرچ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبول کیا اور رہنے لگا۔ اتفاق سے ایک دن ان سے کسی نے ذکر کیا کہ پانی پر کچھ لوگ رہتے ہیں جو ضرورت مند ہیں کھانے کے محتاج ہیں مجھ سے فرمایا کہ اونٹ لے آؤ۔ میں گیا میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی عمدہ اونٹ ہے جو نہایت قیمتی نہایت کار آمد اور سواری میں مُطیع (اطاعت کرنے والا)۔ میں نے حَسْبِ وَعْدَہ (وعدہ کے مطابق) اس کو لے جانے کا ارادہ کیا مگر مجھے خیال ہوا کہ غُرَبَاء کو کھلانا ہی تو ہے اور یہ اونٹ بہت زیادہ کار آمد ہے۔ حضرت کی اور مُتَعَلِّقِین (لواحقین) کی ضرورت کا ہے اس کو چھوڑ کر اس سے ذرا کم درجہ کی عمدہ اونٹنی کہ اس اونٹ کے علاوہ اور باقی سب سے بہتر تھی لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ فرمایا کہ تم نے خیانت کی۔ میں سمجھ گیا اور واپس آکر وہی اونٹ لے گیا۔ پاس بیٹھنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ: دو آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے واسطے ایک کام کریں۔ دو آدمی اٹھے انہوں نے اپنے کو پیش کیا فرمایا کہ: اس کو ذبح کرو اور ذبح کے بعد گوشت کاٹ کر جتنے گھر پانی پر آباد ہیں ان کو شمار کر کے ابوذر (رضی اللہ عنہ) کا یعنی اپنا گھر بھی ایک عدد ان میں شمار کر لو اور سب کو برابر تقسیم کر دو۔ میرے گھر بھی اتنا ہی جائے جتنا ان میں سے ہر گھر میں جائے۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد (فرمانبرداری) کی اور تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا کہ: تو نے میری وصیت عمدہ مال خرچ کرنے کی جان بوجھ کر چھوڑی یا بھول گیا تھا اگر بھول گیا تھا تو معذور ہے۔ میں نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا میں نے اوّل اسی اونٹ کو لیا تھا مگر مجھے خیال ہوا کہ یہ بہت کار آمد ہے آپ کو اکثر اس کی ضرورت رہتی ہے محض اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ فرمایا کہ محض میری ضرورت سے چھوڑا تھا۔ عرض کیا کہ محض آپ کی ضرورت سے چھوڑا تھا۔ فرمایا اپنی ضرورت کا دن بتاؤں۔ میری ضرورت کا دن وہ ہے جس دن میں قبر کے گڑھے میں اکیلا ڈال دیا جاؤں گا۔ وہ دن میری ضرورت اور اِحْتِیَاج (محتاجی) کا ہے۔ مال کے اندر تین حصہ دار ہیں ایک تقدیر جو مال کے لے جانے میں کسی چیز کا اِنتظار نہیں کرتی اچھا برا ہر قسم کا لے جاتی ہے، دوسرا وارِث جو اس کے انتظار میں ہے تو مرے تو وہ لے لے اور تیسرا حصہ دار تو خود ہے اگر ہو سکتا ہو اور تیری طاقت میں ہو تو تینوں حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [34]

**ترجمہ:** تم ہر گز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔

اس لئے جو مال مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اس کو میں اپنے لئے آگے چلتا کروں تاکہ وہ میرے لئے جمع رہے۔ [35]

**حضرت ثابت انصاری رضی اللّٰہ عنہ کا ایثار:** ایک صحابی رضی اللہ عنہ روزہ پر روزہ رکھتے تھے (کثرت سے)۔ افطار کے لئے کوئی چیز کھانے کی مُیَسَّر (دستیاب) نہ آئی۔ ایک انصاری صحابی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے بھانپ (جان) لیا۔ بیوی سے کہا کہ رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا جب کھانا شروع کریں

---

[34] سورۃ آل عمران: 92 لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

ترجمہ: تم ہر گز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور تم جو کچھ خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے۔

[35] (تاريخ دمشق، باب ابو ذر غفاری، 205/66، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، عام النشر: 1415ھ 1995م)

توتم چراغ کو درست کرتے ہوئے بجھا دینا اور جب تک اس مہمان کا پیٹ نہ بھر جائے خود نہ کھانا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ساتھ میں سب شریک رہے جیسے کھا رہے ہوں۔ صبح کو حضرت ثابت (رضی اللہ عنہ) جب حضور (ﷺ) کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ: رات کا تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ کا برتاؤ حق تعالیٰ کو بہت ہی پسند آیا۔[36] (درمنثور)

**حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنهما کا ایثار:** آپ سے کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں سفارِش کرائی۔ ان کی سفارِش پر اس کا کام ہو گیا تو اس نے نذرانہ کے طور پر چالیس ہزار درہم بھیجے۔ انہوں نے واپس کر دیئے کہ ہم لوگ اپنی نیکی کو فَروخت نہیں کیا کرتے۔ ایک مرتبہ کہیں سے دو ہزار درہم نذرانہ میں آئے اسی مجلس میں تقسیم فرما دیئے۔ ایک تاجر بہت سی شکر (چینی) لے کر آیا بازار میں فَروخَت نہ ہوئی۔ اس کو فکروِرَنج (غم) ہوا۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے کارِندوں (کام کرنے والوں) سے کہا کہ ساری شکر اس سے خرید لو اور لوگوں میں مفت بانٹ دو۔[37] رات کو قبیلہ میں جو مہمان آجاتا تھا وہ ان کے یہاں سے کھانا پینا ہر قسم کی ضروریات پوری کرتا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شریک تھے ایک دن اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت فرمائی کہ: میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا۔ تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا۔ یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہید ہو گئے۔ صاحب زادہ نے جب قرضہ کو جوڑا تو بائیس لاکھ درہم تھے اور یہ قرضہ بھی اسی طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے۔ یہ فرما دیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں یہ رقم قرض ہے جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا۔ یہ کہہ کر صدقہ کر دیتے۔ اور یہ بھی وصیت کی کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے مولیٰ کون؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تمام قرضہ ادا کیا۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی دِقّت (پریشانی) پیش آتی میں کہتا کہ اے زبیر کے مولیٰ فلاں کام نہیں ہوتا وہ فوراً ہو جاتا۔ یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درہم لکھے ہیں۔ کہنے لگے کہ جب چاہو لے لو۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں دوبارہ گیا میں نے کہا وہ تو تمہارے ان کے ذمہ ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے معاف کر دیئے۔ میں نے کہا کہ میں معاف نہیں کراتا۔ کہنے لگے کہ جب تمہیں سہولت (آسانی) ہو دے دینا۔ میں نے اس کے بدلہ میں ایک زمین ان کو دیدی جو معمولی حیثیت کی تھی پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا انہوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا کہ اس زمین میں مصلیٰ بچھا دے۔ اس نے مصلیٰ بچھا دیا۔ دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا کہ اس جگہ کو کھود دو۔ اس نے کھودنا شروع کیا ایک پانی کا چشمہ وہاں سے اُبلنے لگا۔[38] (اسدالغابہ)

**تعارف:** حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضور اقدس (ﷺ) کے چچا زاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ اوّل تو یہ سارا ہی گھرانہ اور خاندان بلکہ آلِ اولادِ سخاوت، کرم شجاعت، بہادری میں ممتاز (نمایاں) رہے اور ہیں لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مساکین (حاجت مندوں) کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے اور زیادہ اٹھنا بیٹھنا غُرَباء ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔ کُفَّار (کافروں) کی تکالیف سے تنگ ہو کر اوّل حبشہ (ایتھوپیا) کی طرف ہجرت کی اور کفار نے وہاں بھی

---

[36] (الدر المنثور، 107/8، دار الفكر بيروت)

[37] (سير اعلام النبلاء، باب عبد الله بن جعفر، 455/4، دار الحديث القاهرة: الطبعة: 1427هـ2006م)

[38] (اسد الغابة، باب عبد الله بن جعفر، 199/3، دار الكتب العلمية: سنة النشر: 1415هـ 1994 م)

پیچھا کیا تو نجاشی[39] کے یہاں اپنی صفائی پیش کرنا پڑی۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی اور غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ ان کے اِنتقال کی خبر پر حضور (ﷺ) ان کے گھر تَعْزِیَت (مرد ے کے اعزہ و متعلقین سے اظہارِ ہمدردی) کے طور پر تشریف لے گئے اور ان کے صاحبزادوں عبداللہ اور عون اور محمد کو بلایا وہ سب کم عمر تھے ان کے سرپر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔ ساری اولاد میں باپ کا رنگ تھا مگر عبداللہ میں سَخاوت کا مَضمون بہت زیادہ تھا اسی وجہ سے ان کا لقب "**قُطْبُ السَّخا**" سخاوت کا قطب (سخاوت کا روشن تارا) تھا۔ سات برس کی عمر میں حضور اقدس (ﷺ) سے بیعت فرمائی۔[40]

**ایثار اور بکرے کی سری کا چکر:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک صحابی کو کسی شخص نے بکرے کی سری ہدیہ (تحفہ) کے طور پر دی۔ انہوں نے خیال فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورت مند کُنْبَہ (خاندان) والے ہیں اور ان کے گھر والے زیادہ محتاج (ضرورت مند) ہیں اس لئے ان کے پاس بھیج دی۔ ان کو ایک تیسرے صاحب کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا اور ان کے پاس بھیج دی۔ غرض اسی طرح سات گھروں میں پھِر کر وہ سری سب سے پہلے صحابی کے گھر لوٹ آئی۔[41]

**اِیثار کی بے نظیر مثال:** حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: یَرموک[42] کی لڑائی میں، میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ وہ لڑائی میں شریک تھے اور ایک مشکیزہ (چمڑے کی بوتل) پانی کا میں نے اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہوں تو پانی پلاؤں۔ اِتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دَم توڑ (آخری سانس لے) رہے تھے اور جاں کَنِی (سانس کا اکھڑنا) شروع تھی۔ میں نے پوچھا پانی کا گھونٹ دوں۔ انہوں نے اشارے سے ہاں کی۔ اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے آہ کی۔ میرے چچازاد بھائی نے آواز سنی تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر گیا وہ ہشام بن ابی العاص تھے۔ ان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دَم توڑ رہے تھے۔

انہوں نے آہ کی۔ ہشام (رضی اللہ عنہ) نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کر دیا۔ میں اُن کے پاس پانی لے کر پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ ہشام (رضی اللہ عنہ) کے پاس واپس آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔ ان کے بعد اپنے بھائی کے پاس لوٹا اتنے میں وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ (روح البیان)

**فائدہ:** صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اسے کہتے ہیں ایثار بالنفس (نفس کشی)، یہ مال کے اِیثار سے بڑھ کر ہے[43]

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ      که کار عشق زما این قدر نمی آید

ہم دوست پر عمر و جان فدا (نثار) نہ کر سکے۔ افسوس کہ عشق میں ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔[44]

---

[39] (حضور ﷺ کے عہد میں حبشہ کے مسیحی بادشاہوں کا لقب)

[40] (اسد الغابة، باب جعفر بن ابی طالب، 541/1، دار الکتب العلمیة: سنة النشر: 1415ھ 1994م)

[41] (المستدرک، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورة الحشر بسم الله الرحمن الرحیم، 526/2، الحدیث 3799، دار الکتب العلمیة: الطبعة: الأولی، 1411 1990)

[42] (اردن میں یرموک نام کا ایک دریا ہے جہاں پر مسلمانوں اور رومی فوجوں کے درمیان میں شدید جنگ چھڑ گئی تھی۔)

[43] (روح البیان، سورة الحشر تحت آیت 9، 434/9، دار الفکر بیروت)

[44] (روح البیان، سورة التوبة تحت آیت 50 الی 51، 446/3، دار الفکر بیروت)

**واہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ:** یہاں دوست پر مال و جان فدا (نچھاور) نہ کرنے کا افسوس ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس سے بڑھ کر کچھ اور فرماتے ہیں:

پارۂ دِل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضاؔ　　　ان سگانِ کُو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

**ایک اور صحابی کا ایثار:** حضرت اُبَیُّ ابنِ کعب (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ: مجھے ایک مرتبہ حضور اکرم (ﷺ) نے زکوٰۃ کا مال وُصُول (حاصل) کرنے کے لئے بھیجا۔ میں ایک صاحب کے پاس گیا اور اُن سے ان کے مال کی تفصیل (وضاحت) معلوم کی تو ان پر ایک اونٹ کا بچہ ایک سالہ واجب تھا۔ میں نے اُن سے اس کا مطالبہ کیا۔ وہ فرمانے لگے کہ: ایک سال کا بچہ نہ دودھ کے کام کا نہ سواری کے کام کا۔

اُنھوں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی سامنے کی کہ یہ لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ میں تو اس کو نہیں لے سکتا کہ مجھے عمدہ مال لینے کا حکم نہیں۔ البتہ اگر تم دینا ہی چاہتے ہو تو حضور اقدس (ﷺ) سفر میں ہیں اور آج کا پڑاؤ فلاں جگہ تمہارے قریب ہی ہے۔ حضور (ﷺ) کی خدمت میں جاکر پیش کر دو۔ اگر منظور فرمالیا تو مجھے اِنکار نہیں ورنہ میں معذور (مجبور) ہوں۔ وہ اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ ہو لئے اور حضور اقدس (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ) میرے پاس آپ (ﷺ) کے قاصد (ایلچی) زکوٰۃ کا مال لینے آئے تھے اور خدا کی قسم مجھے آج تک یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ رسول اللہ (ﷺ) یا ان کے قاصد نے میرے مال میں کبھی تَصَرُّف (خرچ) فرمایا ہو اس لئے میں نے اپنا سارا مال سامنے کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ: اس میں ایک سالہ اونٹ کا بچہ زکوٰۃ کا واجب ہے۔ حضور ایک سال کے بچہ سے نہ تو دودھ کا ہی نفع ہے نہ سواری کا اس لئے میں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی پیش کی تھی جس کو انہوں نے قبول نہیں فرمایا اس لئے میں خود لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انہوں نے بتایا۔ مگر تم اپنی طرف سے اس سے زیادہ اور عمدہ مال دو تو قبول ہے اللہ تمہیں اس کا اجر مرحمت (عنایت) فرمائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ حاضر ہے۔ حضور (ﷺ) نے قبول فرمالیا اور برکت کی دعا فرمائی۔[45]

(در منثور)

**اولیاء کرام کا ایثار:** بادشاہ اور وزیر کے درمیان اختلاف ہوا۔ بادشاہ کہتا کہ علماء کرام افضل ہیں وزیر کہتا کہ فقراء (اولیاء) وزیر نے کہا ان کا امتحان لے لیں اس کے دو طریقے ہیں:

اوّل یہ کہ کسی کو ایک ہزار درہم دے کر یہ مدرسہ والوں کی طرف بھیجو اور کہو کہ بادشاہ نے یہ رقم اس کے لیے بھیجی ہے جو تم میں سب سے افضل (بہترین) ہو اسی کو دو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تو اہل مدرسہ کے پاس جب بادشاہ کا قاصد گیا تو ہر ایک کہتا کہ میں سب سے اَفضل ہوں۔ قاصد نے کہا کہ مجھے تو یقین نہیں آتا کہ ان میں کون افضل ہے یہ کسی کا حق نہیں فلہٰذا میں اسے واپس لے جارہا ہوں۔ اب وہی رقم لے کر خانقاہ (مرکز اولیاء) میں پہنچے تو فقراء (اولیاء) سے پوچھا کہ تم میں کون افضل ہے تاکہ یہ ہزار درہم پیش کروں۔ سب یک زبان بولے "میں نہیں یہ ہے" وغیرہ۔ بالآخر قاصد نے بادشاہ کو رقم واپس جا کر دی۔ وزیر نے کہا اب دوسرے طریقے سے بھی آزمایئے کہ چُھرا قاصد کے ہاتھ میں پکڑایئے اور اہل خانقاہ کے پاس بھیج کر فرمایئے کہ تم میں افضل کون ہے جو افضل ہوگا

---

[45] (الدر المنثور، باب 267، 62/2، دار الفکر بیروت)

اسے قتل کیا جائے گا۔ جب خانقاہ میں پہنچے تو ہر ایک کہتا مجھے قتل کیجئے میرے ساتھی کے درپے(جستجو میں) نہ ہو۔ اسی طرح وہ قاصد امتحان لے کر واپس آگیا اس طرح سے وزیر بادشاہ پر غالب آگیا۔

**سبق:** اسے کہتے ہیں ایثار کہ خود کو قتل ہونے کے لیے پیش کرنا منظور(قبول) لیکن اپنے دوست کے لیے نامنظور گویا اپنی جان دوست پر قربان۔(46)

(روح البیان)

**تبصرہ اویسی غفرلہٗ:** سچ پوچھو تو علماء کی اب بھی وہی حالت ہے:

زمانہ بدلے لاکھ مگر ہم نہ بدلے جائیں گے　　　یااللہ! ہمیں ایسے علماء سے نہ بنا۔(آمین)

میں کہتا ہوں یہ بھی اہل خانقاہ دور سابق(گزشتہ دور) میں تھے۔ اب ہوں گے لیکن چھپے ہوئے۔ ہمیں کہیں ان کی زیارت نہیں ہو رہی بلکہ اب جو مدعیانِ مَشیخت(بزرگی کا دعویٰ کرنے والے) یا براجمان مسند ولایت(اولیاء کے گدی نشین) ہیں ان کے اکثر تو ہماری طرح "**ہمچو مادیگر ے نیست**"( یعنی کہ مجھ جیسا کوئی نہیں) کے مریض ہیں اور بہت سے بدنام کُنِندَگانِ اسلاف(اسلاف کو بدنام کرنے والے) ہیں جن کا نام سُن کر بھی خَلقِ خدا(مخلوق) راضی نہیں۔ مجھے ایک ایسے مقدس شہر میں وعظ(نصیحت) کرنے کا موقع ملا جسے دیکھ کر مجھے شہبازانِ ولایت یاد آگئے کہ ایک وقت تھا کہ ایسے شہباز اس شہر کی گدائی کو سعادت سمجھتے اور رحمت کے ملائکہ کرام اس شہر کا گشت(چکر لگانا) کرتے نہ تھکتے۔ لیکن افسوس کہ آج یہ شہر برائیوں اور ظلم و ستم کا اڈہ ہے کہ مَلائِکہ کِرام یہاں کی ڈائری لکھنے پر تَھرَّا(لرز) جاتے ہیں:　　واہ! عجب طور ہیں زمانے کے

**صاحب رُوح البیان کا اظہار افسوس:** صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ: اب تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے دور کے فقراء(ولایت کے مدعی) کا کیا حال ہے کہ اسلاف صالحین کے طریقوں سے کتنے دور نکل گئے ہیں۔

**حکایت:** سیدنا ابویزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ: مجھ پر بلخ کا ایک نوجوان غلبہ پا گیا۔ مجھ سے پوچھا زُہد کیا ہے۔ میں نے کہا کچھ مل جائے تو کھا لیا جائے نہ ہو تو صبر۔ اس نے کہا کہ یہ تو ہمارے بلخ میں کتوں کا طریقہ ہے بلکہ زاہد کو یوں ہونا چاہیے کہ کچھ نہ ہو تو بھی شکر کرے اگر ہو تو اپنے بجائے دوسروں کو دینا چاہیے۔(47)

**کریم کامل آنرا شناسم اندر دوران　　　که گزمانے رسد از آسیائے چرخ گردانش**

**نه استغنائے ہمت باوجود فقر وبے برگی　　　زخود دو اگیرد وسازو نثار بے نو ایانش**

**ترجمہ:** میں زمانے میں کریم اسے سمجھتا ہوں کہ اگر اسے آسمان کی چکی سے ایک روٹی ملے تو اَزْراہِ اِستِغْنَاء(دنیا اور اس کی لذتوں سے روگردانی کے ساتھ) باوجود فَقر و ضرورت کے دوسروں کی ضرورت پر خرچ کردے۔

---

[46] (روح البیان، سورۃ الحشر تحت آیت 9، 434/9، دار الفکر بیروت)

[47] (روح البیان، سورۃ الحشر تحت آیت 9، 434/9، دار الفکر بیروت)

**تبصرۂ اویسی غفرلہٗ:** یہ دو تین صدیوں پہلے کا حال ہے اور ہمارے دور کے مدعیانِ ولایت (ولایت کے دعویدار) اور مَسند نَشینانِ اَسلاف (اسلاف کی مسند پہ بیٹھنے والے) رحمہم اللہ تعالیٰ کا حال زَبُوں تر (خستہ حال) ہے۔ میں نے تو یہاں تک تلخی (شدت) دیکھی ہے کہ ان حضرات کو جو نہی (جیسے ہی) اسلاف کے طریقوں سے ہٹا ہوا کہا گیا تو کہنے والے کا مَعاش (روزگار) و مُعاشَرہ (سماج) تنگ اور اُلٹا اسے ننگِ زمانہ (باعثِ عارِ زمانہ) مشہور کرایا جاتا ہے گویا اسے سزا دی جاتی ہے کہ پھر وہ ان کے ایسے دھندے میں روڑا نہ اٹکا (خلل نہ ڈال) سکے۔

**خدا پنج انگشت یکساں نکرد:** ہمارا دور ایسا گھٹیا بھی نہیں کہ اس میں صحیح اور سچے پیر نہ ہوں۔ الحمد اللہ فقیر نے اپنے زمانہ میں بہت سے سچے اور صحیح پیروں کی زیارت کی۔ ان میں حضرت الحاج خواجہ محمد سلطان بالا دین صاحب اویسی شاہ پور شریف رحمۃاللہ علیہ بھی ہیں کہ ہر حق بات سنتے اور سن کر نہ صرف خوش ہوتے بلکہ داد (شاباشی) دیتے۔ پڑھئے فقیر کا رسالہ "سوانح سلطان بالا دین"۔

**ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایثار وھمدردی:** بعض صوفیا کرام کی خلیفۂ وقت کے ہاں شکایت ہوئی ان میں حضرت ابوالحسین نوری رحمۃاللہ علیہ بھی تھے۔ خلیفۂ وقت نے تمام صوفیہ کرام گرفتار شد گان (گرفتار ہونے والوں) کے قتل کرنے کا حکم دیا۔

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃاللہ علیہ نے سب سے پہلے جلاد (پھانسی دینے والے) کے ہاں پہنچ کر فرمایا پہلے مجھے قتل کرو۔ آپ سے اس پہل کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ: میں چاہتا ہوں کہ میرے قتل ہونے کے وقت تک میرے دوست زندگی بسر کر لیں گے۔ خلیفۂ وقت یہ حال سن کر ان بزرگوں (صوفیہ کرام) کو قتل کرنے سے باز آگیا (پیچھے ہٹ گیا) اور انہیں باعزت رہائی کا حکم فرما دیا۔[48] (حیاء العلوم)

**ابراھیم تیمی رضی اللہ عنہ کا ایثار بے مثال:** حضرت ابراہیم نخعی و حضرت تیمی رضی اللہ عنہما ہر دونوں تابعین کے اعلیٰ طبقات (درجات) میں سے ہیں۔ حجاج بن یوسف نے حسبِ عادت (عادت کے مطابق) ابراہیم نخعی کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ حجاج کے سپاہی انہیں تلاش کر رہے تھے وہ روپوش (چھپ گئے) ہو گئے۔ کسی مُخبِر (خبر دینے والے) نے خبر دی کہ ابراہیم نخعی فلاں جگہ چھپا ہوا ہے۔ وہاں اتفاقاً ابراہیم تیمی تھے اور یہ ابراہیم جو انہیں کے ہمعَصَر (ایک زمانے کے) تھے سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر لیا آپ نے گرفتاری دیدی لیکن سپاہیوں کو نہ فرمایا کہ وہ میں نہیں اور نہ ہی سپاہیوں نے امتیاز (فرق) کیا کہ یہ کون ابراہیم ہے نخعی یا تیمی۔ آپ حجاج کے یماس نامی جیل خانہ میں قید کر دیے گئے جہاں دھوپ سے کہیں سایہ نہ تھا اور نہ سردی سے بچاؤ کی کوئی صورت۔ پھر اس میں بھی دو دو آدمیوں کو ایک زنجیر میں جکڑا (باندھ دیا) گیا۔ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ اس قید کی شدّت سے اس درجہ لاغر و ضعیف (کمزور) ہو گئے کہ ان کی والدہ ان سے ملنے کے لئے جیل خانہ میں آئیں تو انہیں پہچان نہ سکیں۔ آخر کار اسی جیل خانہ میں آپ کی وفات ہو گئی۔ لوگوں نے بھی کہا جب سپاہی آپ کی طلب (تلاش) میں نہ تھے تو آپ کیوں گرفتار ہو گئے۔ فرمایا کہ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ تیمی جیسے امام وقت کو لوگ آکر گرفتار کریں اس لئے میں نے ان کہ جگہ اپنا نام پیش کر دیا۔[49] (طبقات ابن سعد صفحہ ۹۹ جلد ۶)

---

[48] (احیاء علوم الدین، کتاب آداب الاکل، باب کِتَابُ آدَابِ الْأُلْفَةِ وَالْأُخُوَّةِ وَالصُّحْبَةِ وَالْمُعَاشَرَةِ مَعَ أصناف الخلق 173/2، دار الفکر بیروت)

[49] (طبقات الکبری، باب ابراھیم التیمی، 291/6، الناشر: دار الکتب العلمیة – بیروت، الطبعة: الأولى، 1410 ھ 1990 م)

**ایثار کی برکت:** خلیفہ مُعْتَضِد باللہ عباسی کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اس کے ایک سپہ سالار (کمانڈر) نے ایک سوداگر (تاجر) سے پچاس ہزار درہم قرض (ادھار) لئے مگر بعد میں ان کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ سوداگر بہت رویا منّت و سَماجَت (التجاء) کی۔ مگر سپہ سالار کے کان پر جُوں تک نہ رینگی (بے خبر اور بے حس رہا)۔ اس نے بہت سی تدبیریں (غور و فکر) کیں کہ کسی طرح سے سپہ سالار سے روپیہ وصول کر سکے۔ معَزّزِین شہر (شہر کے عزت دار لوگوں) کے پاس گیا۔ سرکاری حکام (حکومتی عملہ) اور اَرا کینِ سلطنت سے التجائیں (منّت و سَماجَت) کیں مگر سب بے سود (بے فائدہ)۔ کسی نے بھی اس کی مدد نہ کی۔ کیونکہ سپہ سالار سخت اکھڑ، بدمزاج (غصے والا) اور تُنْد خُو (چڑچڑا) تھا اور ہر شخص اس کے پاس جاتے ہوئے ڈرتا تھا چونکہ سوداگر کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہ تھا اس لئے وہ قاضی کے ہاں دعویٰ کرنے سے بھی ناچار (بے بس) تھا۔

ایک دوست مل گیا۔ دوست نے اسے مَغْمُوم (اداس) اور پریشان دیکھ کر وجہ پوچھی۔ سوداگر نے تمام بات بتادی کہ کس طرح سپہ سالار نے اس سے ایک گراں قَدَر (زیادہ) رقم بطور قرض لی اور بعد میں اس کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ دوست نے کہا کہ بس اتنی سی بات پر پریشان ہو رہے ہو آؤ میرے ساتھ چلو میں تمہیں ایک شخص کے پاس لے چلتا ہوں جو فوراً تمہاری رقم دلوادے گا۔

سوداگر نے کہا کہ شہر کا کوئی بڑا آدمی ایسا نہیں جس کے پاس میں فریاد لے کر نہ گیا ہوں۔ لیکن ہر ایک نے رقم دلوانے سے معذرت کر دی ہے۔ تمہاری نظر میں ایسا کون سا آدمی ہے جو مجھے اس ظالم سپہ سالار سے رقم دلوائے گا۔ دوست نے کہا میں تمہیں جس شخص کے پاس لے جارہا ہوں کوئی بڑی شخصیت نہیں بلکہ بہت ہی معمولی درجے کا آدمی ہے مگر مجھے امید ہے کہ اس کے ذریعے تمہارا کام فوراً بن جائے گا۔ سوداگر نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب بڑے بڑے آدمیوں کے ذریعہ میرا کام نہ بن سکا تو ایک معمولی آدمی کے ذریعہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ دوست نے جواب دیا، تمہیں اس سے کیا غرض، تم میرے ساتھ چلو۔

چنانچہ اس نے سوداگر کو ساتھ لیا اور ایک درزی کی دوکان پر پہنچا جو اتفاقاً قریب ہی تھا۔ درزی اس وقت اپنی دکان کے چبوترے پر بیٹھا قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا۔ دکان کوئی بہت بڑی نہ تھی اور کام بھی کچھ زیادہ نظر نہ آتا تھا لیکن درزی کے چہرے پر طُمانِیَّت (اطمینان) اور نُورَانِیَّت کے آثار نظر آرہے تھے۔

اسے دیکھ کر سوداگر کو اپنے دوست کی عقل پر اور بھی تعجب (حیران) ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ یہ معمولی درجے کا درزی میرا کام کس طرح کر سکے گا۔ چونکہ وہ دکان پر پہنچ چکا تھا اس لئے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے دوست نے آگے بڑھ کر درزی کو سلام کیا اور سپہ سالار کی بے ایمانی کا سارا واقعہ سنا کر اس سے کہا کہ ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ چل کر میرے دوست کا روپیہ دلوادیں۔

درزی نے جواب دیا مجھے کوئی عذر نہیں اور میں ابھی آپ کے دوست کے ساتھ سپہ سالار کے پاس چلتا ہوں مجھے امید ہے کہ وہ ان کا روپیہ دینے میں کوئی عذر نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے قرآن کریم بند کیا، دوکان کو قُفْل (تالا) لگایا اور سوداگر سے کہا چلئے۔ چنانچہ یہ تینوں سپہ سالار کے ہاں پہنچے۔ سپہ سالار اس وقت وہاں موجود نہ تھا لیکن اس کے نوکر اور غلام درزی کو دیکھتے ہی سروقد کھڑے ہو گئے اور آداب بجالا کر نہایت ہی مؤدبانہ لہجے میں کہا کہ سپہ سالار صاحب کہیں باہر گئے ہیں ابھی آتے ہیں، آپ تشریف رکھیے۔ انہوں نے ان دونوں کو مکان کے اندر لے جا کر ملاقات کے کمرے میں بٹھا دیا۔ فوراً ہی نہایت عمدہ اور ٹھنڈا شربت دونوں کو پلایا اور غلام پنکھا جھلنے (پنکھا ہلانے) کے لئے کھڑے ہو گئے۔

سودا گر اس تمام واقعہ کو دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ یہ واقعہ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کچھ دیر بعد سپہ سالار بھی آ گیا جونہی (جیسے ہی) اس کی نظر درزی پر پڑی۔ اس کا چہرہ فق (حواس باختہ) ہو گیا لیکن وہ سنبھل کر آگے بڑھا اور انتہائی مؤدبانہ لہجے میں اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

مجھے افسوس ہے میں اس وقت کسی ضرورت سے باہر گیا تھا آپ کو انتظار کی زحمت (تکلیف) ہوئی ہو گی۔ فرمایئے کیسے آنا ہوا اور میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ درزی نے کہا اور تو کوئی بات نہیں۔ آپ نے ان سوداگر سے پچاس ہزار درہم قرض لئے تھے لیکن ابھی تک ادا نہیں کئے۔ بس میں یہ کہنے آیا کہ آپ مہربانی فرما کر ان کی رقم ادا کر دیجئے۔

سپہ سالار نے کہا واقعی میں نے ان سے پچاس ہزار درہم لئے تھے لیکن اس وقت میرے پاس صرف دس ہزار درہم موجود ہیں وہ لے لیجئے۔ باقی رقم میں انشاءاللہ ایک ماہ کے اندر اندر ادا کر دوں گا آپ بالکل مطمئن رہیں۔ صرف یہ عرض ہے کہ برائے خدا اذان نہ دیجئے گا۔ درزی نے جواب دیا جب آپ ان صاحب کا قرض ادا کرنے کے لئے تیار ہیں تو مجھے اذان دینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اذان صرف اس وقت دیتا ہوں جب اور کوئی چارہ کار (راستہ) نہ رہے۔

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ سپہ سالار اسے رخصت کرنے محل سے باہر تک آیا اور بڑی گرم جوشی (ولولے) سے اسے رُخصت کیا۔ سوداگر اس تمام منظر کو بڑے غور اور حیرت سے دیکھتا رہا۔ باہر نکل کر اس نے کہا میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ کی بدولت میرا کام بن گیا اور میری ڈوبی ہوئی رقم باہر نکل آئی لیکن آپ کی شخصیت اور اذان کا قصہ میرے لئے حد درجہ حیرت واستعجاب (تعجب) کا موجَب (سبب) ہے۔ براہِ کرام آپ مجھے بتائیں کہ آپ کون ہیں اور یہ اذان کا کیا قصہ ہے؟ اذان میں توڈرنے والی کوئی بات نہیں ہوتی۔ پھر سپہ سالار اس سے اس قدر خوف کیوں کھا رہا تھا۔ درزی نے کہا، میاں تمہیں ان باتوں سے کیا غرض۔ تمہارا کام بن گیا، تم خدا کا شکر ادا کرو اور گھر جاؤ۔ سوداگر نے جواب دیا میں تو اس وقت تک یہاں سے نہ جاؤں گا جب تک یہ تمام قصہ معلوم نہ کر لوں گا۔ سوداگر کے اصرار پر درزی مجبور ہو گیا اور یہ قصہ اس نے سنایا۔

میں ایک معمولی درزی ہوں اور لوگوں کے کپڑے سی کر اپنا گزارہ کرتا ہوں۔ میری دکان تو مدّتِ دراز (لمبے عرصے) سے اسی جگہ ہے جہاں سے میں آپ کے ساتھ آیا ہوں۔ میری دکان کے ساتھ ایک مسجد ہے جس کا میں مؤذن ہوں اور پانچ وقت اس کے منارہ پر چڑھ کر اذان دیا کرتا ہوں۔ یہ مسجد شاہی محل کے قریب ہے اور میری آواز امیر المومنین کے کانوں تک پہنچتی ہے۔

ایک دن مغرب کے قریب میں دکان پر بیٹھا کپڑے سی رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک تُرک آفسر ایک عورت کو زبردستی گھسیٹتے ہوئے لے جا رہا تھا۔ عورت چیخ چلا رہی تھی مگر بازار میں کسی کی اتنی ہِمّت نہ تھی کہ وہ اسے اُس ظالم آفسر کے ہاتھ سے چھڑا سکے۔ یہ منظر دیکھ کر میری غیرت جوش میں آئی اور میں نے آگے بڑھ کر اس افسر سے کہا کہ اس عورت پر ظلم نہ کر اور اسے چھوڑ دے۔ مگر اس نے پرواہ نہ کی اور عورت کو اسی طرح گھسیٹتا رہا۔ میں نے دوبارہ اس سے یہی التجا کی۔ اس پر اس نے ایک ہاتھ سے عورت کو پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے ڈنڈا لے کر مجھے اس طرح مارا کہ میری ہڈی پسلی ایک ہو گئی اور جگہ جگہ سے خون جاری ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح زدوکوب (مارپیٹ) کر کے وہ تُرک افسر اپنی راہ (راستہ) پر چلا گیا۔

گو تکلیفِ درد کی وجہ سے میری بری حالت تھی اور مجھ سے ہلا بھی نہ جا رہا تھا لیکن میری غیرت اور حَمِیّت اب تک جوش کھا رہی تھی۔ میں بڑی مشکل سے اٹھا کچھ دردمند لوگوں کو جمع کیا اور اس ترک افسر کے دروازے پر پہنچ کر اسے باہر بلایا۔ جب وہ باہر آیا اور اس نے مجھے ایک مجمع کے ساتھ دیکھا تو اس کے

غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ اسی وقت اندر چلا گیا اور تلوار نکال کر لایا جسے دیکھ کر باقی سب لوگ جان بچا کر بھاگ گئے مگر میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس نے مجھ پر گھونسوں، لاتوں اور مکّوں کی بارش شروع کر دی۔ میں پہلے زخمی تھا اس مارنے اور ستم ڈھایا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ افسر مجھے اسی حالت میں چھوڑ کر اپنے مکان میں چلا گیا اور بعض لوگوں نے از راہِ ہمدردی مجھے میری دکان پر پہنچا دیا۔

میرا سارا بدن بری طرح دکھ رہا تھا۔ جگہ جگہ سے کھال پھٹ گئی تھی اور زخموں سے خون جاری تھا لیکن اس مظلوم عورت کی بے کسی اور بے بسی کے سامنے مجھے اپنی سخت تکلیف بھی یاد نہ تھی اور میں برابر (مسلسل) سوچ رہا تھا کہ کون سی تدبیر اختیار کروں کہ اس ظالم افسر سے اس مظلوم عورت کا پیچھا چھوٹے۔ آخر بہت سوچنے کے بعد یہ ترکیب (طریقہ) ذہن میں آئی کہ منارہ پر چڑھ کر اذان دے دوں اس طرح وہ افسر سمجھے گا کہ صبح ہو گئی اور عورت کو چھوڑ دے گا۔ زخموں اور درد کے باعث مجھ میں ہلنے کی قطعاً تاب (طاقت) نہ تھی لیکن جس طرح بھی بن پڑا اس منارہ پر چڑھا اور اپنی پوری قوت (طاقت) سے اذان دے دی۔ اذان دے کر اس منارہ سے نیچے اُتر آیا۔

ابھی میں نیچے اترا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ چند سرکاری پیادے (پیدل) ہاتھوں میں مَشْعَلیں (بڑا چراغ دان) لئے مسجد کی طرف تیزی سے چلے آرہے ہیں۔ میرے پاس آکر انہوں نے پوچھا کہ یہ بے وقت کی اذان کس نے دی ہے۔ سرکاری پیادوں کو دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے (یعنی میں ہوش و ہواس میں نہ رہا) تاہم میں نے جرأت (ہمت) کر کے کہا، "میں نے اذان دی ہے" بتائیے کیا بات ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے جس نے یہ بے وقت اذان دی ہے۔

چنانچہ انہوں نے مجھے لے جا کر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امیر المومنین نے بڑے غصے سے میری طرف دیکھا اور کہا...... تم نے بے وقت اذان کیوں دی ہے؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ تمہاری اس حرکت سے کتنا نقصان ہوا ہو گا جب چوکیداروں اور محافظوں نے اذان سنی ہو گی وہ گشت ختم کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہوں گے ان کی عدم موجودگی (غیر حاضری) میں اگر بازاروں اور گھروں میں چوری ہو جائے تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا؟ اور پہرہ داروں کی نگرانی کون کرے گا؟ جن لوگوں کو صبح روزہ رکھنا ہو گا انہوں نے بغیر کھائے پیئے روزہ رکھ لیا ہو گا بتاؤ تمہیں اس قُصور کی سزا کیوں نہ دی جائے۔

میں نے امیر المومنین سے کہا کہ: حضور سزا کا حکم سنانے سے پہلے میری بات سن لیں اس کے بعد حضور کو اختیار ہے جو سزا دیں، مجھے منظور ہو گی، امیر المومنین نے کہا اچھا کہو، میں نے کہا: میں سب سے پہلے اس امر پر مسَرَّت کا اظہار کرتا ہوں کہ ہمارے بادشاہ کو رعایا (عوام) کا اس قدر خیال ہے کہ وہ ان کے لئے اپنا آرام اور چین بھی قربان کر دیتا ہے اور ان کی بہبود (ترقی) کی خاطر راتوں کو جاگتا رہتا ہے ورنہ اسے کیسے پتہ چلتا کہ اذان بے وقت دی گئی ہے۔

اس کے بعد میں نے تُرک افسر کا سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ: میں نے محض اس لئے بے وقت اذان دی ہے کہ وہ ظالم آدمی یہ سمجھے کہ صبح ہو گئی ہے اور اس طرح اس عورت کو چھوڑ دے۔ اب میری حضور سے یہ التجا ہے کہ کسی آدمی کو بھیج کر اس بے کس و مظلوم عورت کو اس ظالم افسر کے چُنگل سے چھڑا دیں۔ امیر المومنین نے یہ سن کر مجھے تو اپنے پاس بٹھا لیا اور ایک ملازم کو بلا کر کہا کہ فلاں ترک افسر کو گرفتار کر کے اسی وقت میرے سامنے حاضر کرو۔ اس کے پاس جو عورت ہو اسے بھی ساتھ لیتے آنا۔ تھوڑی ہی دیر میں ترک افسر امیر المومنین کے سامنے کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ امیر المومنین نے انتہائی طیش (غضب) بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس سے ناپاک حرکت کی وجہ پوچھی۔ اس نے گڑگڑا کر اپنے قصور کی معافی چاہی اور رحم کی درخواست کی۔

مگر امیر المومنین نے معاف نہ کیا اور حکم دیا کہ صبح ہونے پر اسے ایک بوری میں بند کر کے چوک کے درمیان رکھ دیا جائے کہ لوگ لاتوں، مکوں اور گھونسوں سے اس کی خاطرِ تَوَاضُعْ (بے عزتی) کریں، یہ سزا اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک اس کی جان نہ نکل جائے۔ یہ حکم دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا تمہاری دلیری شُجاعت اور غیرت کو دیکھ کر میرا دل بے حد خوش ہوا۔ یہ لو پانچ ہزار درہم کی تھیلی، یہ تمہارا انعام ہے اور آئندہ جب کبھی کسی پر ظلم ہوتے دیکھو اور اسے روک نہ سکو تو منارہ پر چڑھ کر اذان دے دیا کرو۔ میں فوراً سمجھ جاؤں گا کہ اس بے وقت کی اذان کے ذریعہ تم مجھ کو کسی مظلوم کی فریاد پہنچانا چاہتے ہو۔ میں اسی وقت تمہیں بلا لیا کروں گا اور مظلوم کی دادرسی (چارہ سازی) کیا کروں گا۔

امیر المومنین کے حکم کی شہرت تمام شہر میں ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں کسی اہلکار اور معزز شخص کو اس کے کسی ظلم یا ناانصافی کی طرف توجہ دلاتا ہوں وہ فوراً اس کے ازالے (زائل کرنے) کے لئے تیار ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ ظلم اور ناانصافی سے باز نہ آیا اور میں نے اذان دے دی تو پھر اس کی خیر نہیں۔ تمہارے سامنے بھی یہی ماجرا گزرا اور سپہ سالار نے خوف کے مارے فوراً تمہاری رقم ادا کرنے کا وعدہ کر لیا اور دس ہزار درہم ادا بھی کر دیئے۔[50]

## اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللّٰہ علیہ کا ایثار:

انوارِ رضا صفحہ ۲۳۸ میں ہے کہ

جب سجادہ نشین صاحب نے ایک مرتبہ اعلی حضرت سے رکھوالی کے لئے دو کتوں کی فرمائش کی تو اعلی حضرت اعلیٰ نسل کے دو کتے خانقاہ عالیہ کی دیکھ بھال کے لئے بذات خود دے آئے اور فرمایا کہ: حضرت ان کتّوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ یہ سارا کام کاج کریں گے اور رات کے وقت رکھوالی بھی جانتے ہیں۔ یہ دونوں کتے کون تھے؟ آپ کے دونوں صاحبزادگان جن میں سے ایک حضرت قبلہ مفتی اعظم ہند تھے اور دوسرے زمانہ ہوا غریق رحمت ہو گئے ہیں۔ (یعنی حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ)۔[51]

## محدِّثِ اعظم پاکستان علامہ سردار احمد رحمۃ اللّٰہ علیہ کا اِیثار:

سراج العلماء استاذی المکرم مولانا فقیہ سراج احمد مکھن بیلوی ثُمَّ خانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ: جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے ایک فتویٰ سے متاثر ہو کر ارادہ کیا کہ بریلوی فقیہ کی بریلی جا کر ہی زیارت کروں لیکن افسوس کہ ہمیں ان کے وِصال (انتقال) کا علم نہ تھا ان کے وِصال کے بعد بلکہ ان کے صاحبزادہ حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بھی بعد بریلی شریف جانا ہوا۔ اس وقت مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفٰے رضا خان (رحمۃ اللہ علیہ) سفر پر تھے۔ حضرت مولانا حکیم الامت امجد علی صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ بریلی سنبھالا ہوا تھا۔ وہ بھی پڑھا کر کہیں تشریف لے جاتے تھے مولانا سردار احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) زیرِ تعلیم تھے۔ ہم دو ساتھی تھے مسجد میں ہمیں اجنبی دیکھ کر حالات پوچھے۔ فرمایا کہ: یہاں مہمانوں کے لئے رہائش کھانا وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں لیکن آپ چونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان ہیں اسی لئے آپ کے کھانے اور رہائش کا انتظام میں خود کرتا ہوں چنانچہ جتنا

---

[50] (البداية والنهاية، وهذه ترجمة المعتضد، جلد 11 ص 88 الى 91، دار الفكر – بيروت، عام النشر: 1407 هـ 1986 م)

[51] (انوارِ رضا، ص 238، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور)

وقت ہم آستانہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر رہے مولانا سردار احمد صاحب نے اپنا بستر اور رہائش گاہ ہمارے حوالے کر دیا اور اپنی جیب سے ہی ہمارے کھانے کا انتظام کیا۔

**غزالی زماں سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی محدث ملتانی رحمۃ اللّٰہ علیہ کا ایثار:** حضرت غزالی زماں رحمۃاللہ علیہ کا ایثار اس سے بڑھ کر ہر اہلسنّت کے لئے تھا لیکن فقیر چونکہ آپ کے تلامِذہ کا اَدنیٰ تِلْمِیذ(شاگرد) ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دورانِ طالب علمی آپ کے تلامذہ در تلامذہ کی فہرست میں فقیر ایک لاشَیٔ تِلْمِیذُ التَّلَامِذہ سمجھا جاتا تھا۔ فقیر نے جب مدرسہ مَنْبَعُ الفُیُوض حامد آباد کی بنیاد رکھی تو سالانہ جلسہ مدارس کا ایک اہم شعبہ سمجھا جاتا ہے اسی لئے ڈرتے ڈرتے سالانہ جلسہ کے لئے عرض کیا تو فرمایا: نہ صرف اس سال بلکہ ہر سال۔ فقیر نے عرض کر دیا کہ

**شاہان چه عجب که نوازند گدارا**

پھر فقیر کا ہر سال جلسہ نہ ہو سکتا تھا جب تک غزالی زمان رحمۃاللہ علیہ رونق افروز نہ ہوتے۔

**ایثار کی مثال:** یہ کوئی رسمی مثال نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ دورِ حاضرہ میں مقررین وواعظین اگر غزالی زماں رحمۃاللہ علیہ کی پیروی واقتداء کریں تو سُنّیّت کی خدمت ہو۔ فقیر کا گاؤں اسٹیشن سے کوسوں دور(بہت دور) بسّوں کا رواج معدوم(ناپید)، سڑکوں کا تَصوُّر تو ایک اَنہونی بات تھی۔ شاہراہ پاکستان سے بھی فقیر کا مدرسہ کافی فاصلہ پر تھا۔ غزالی زماں ہر سال شاہراہ پاکستان سے پیدل چل کر جلسہ کی رونق کو دوبالا فرماتے۔ سواری کے لئے گھوڑی پیش کی جاتی تو فرماتے اس کی عادت نہیں۔ سائیکل کا راستہ نہیں کہ آپ کو اس پر بٹھا کر جلسہ میں لایا جائے۔ بارہا برستی بارش میں کیچڑ پاؤں بھرپور اور کپڑے بھیگے کرکے حامد آباد تشریف لاتے۔ زادِ راہ(سفر کا کھانا) اور نذرانہ(ہدیہ) کا تو نام تک نہ تھا اسے کہتے ہیں ایثار و ہمدردی۔

**علّامہ مفتی ہزاروی مدظلہ العالی کا ایثار:** حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مُہتمم جامعہ نظامیہ وناظم اعلیٰ تنظیم المدارس سے طالب علمی سے ہی فقیر کے ساتھ دوستی ہے۔ جب وہ حضرت شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی رحمۃاللہ علیہ کے ہاں پڑھتے تھے اور فقیر جامعہ رضویہ فیصل آباد میں دورہ حدیث پڑھتا تھا۔ حضرت مولانا علامہ شیخ الحدیث غلام رسول صاحب ان دِنوں ہارون آباد کے مدرسہ سے مستعفی ہو کر فیصل آباد میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ چند ہونہار(ذی استعداد) شاگرد بھی تھے۔ تو وہ فقیر کے ساتھ مشکل صیغے اور ترکیبوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔ ان میں مفتی عبدالقیوم صاحب نمایاں تھے۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب کو فقیر کی عِلمی اِستعداد(صلاحیت ومہارت) کا ذکر کیا تو انہوں نے فقیر کو بلا کر فرمایا کہ تم اس سال فارغ التحصیل ہو جاؤ گے۔ نئے سال میں ہم جس مدرسہ میں مُتَعَیَّن ہوئے تمہیں بلا لینگے تم ہماری نِیَابَت(نمائندگی) میں تدرِیس کرنا تمہارا علمی اضافہ ہو گا۔ فقیر نے رَسْمی طور پر عرض کر دیا۔

نئے سال ۱۹۵۲ء فقیر نے اپنے گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خاں میں مدرسہ مَنْبَعُ الفُیُوض حامد آباد کی بنیاد رکھی۔ اچھے ذِی اِسْتِعْدَاد(ہونہار) طُلَبَہ تعلیم کے لئے جمع ہو گئے۔ ایک دن ہم صبح کو نماز پڑھ کر بیٹھے تو ایک نوجوان آیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ مولانا ہزاروی ہیں یہاں جنگل ویران علاقہ میں کیسے پہونچے۔ اِسْتِفْسَار(پوچھنے) پر فرمایا کہ: حضرت علامہ غلام رسول صاحب مدظلہٗ نے بھیجا ہے کہ آپ نئے سال میں ان کے ساتھ ان کی زیرِ نگرانی تدریس کا کام انجام دیں۔ فقیر نے معذرت کر دی ہے، آج انہیں مہمان ٹھہرایا ہے۔۔۔ کل انہیں رخصت کریں گے۔

**ہزاروی صاحب کے ایثار کی وجہ:** علامہ ہزاروی صاحب کا حامد آباد جیسے ویران علاقہ میں پہونچنا ایثار ہی ہے کیونکہ حامد آباد ایک گمنام بلکہ ایک بے نام ونشان بستی ہے جسے خود اہلِ علاقہ بھی نہیں جانتے کہ حامد آباد بھی کوئی جگہ ہے۔اس لئے کہ یہ فقیر کی پیدائشی بستی ہے اسے اہل علاقہ بہابی لاڑا بستی کے نام سے جانتے ہیں۔اس لئے کہ اس بستی کے لوگوں کے مورثِ اعلیٰ کا نام عبدالوہاب ہے جو دیہاتی زبان میں وہاب سے بہاب بن گیا اور یائے نسبت ہے ۔فقیر نے مدرسہ کی بنیاد رکھنے سے قبل اس کا حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان ابن مجدد دین وملت اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور اپنے دادا مولانا محمد حامد اویسی کے نام سے منسوب کیا اور فیصل آباد دوران تعلیم اپنا مسکن (جائے سکونت) یہی بتاتا۔ مفتی ہزاروی صاحب کا پہونچنا کرامت سے کم نہیں اور طالب علمی کی ایثار وہمدردی کی اعلیٰ مثال ہے کہ حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول صاحب رحمۃاللہ علیہ کا حکم لے کر چل پڑے۔ فقیر فیصل آباد میں بہاولپوری مشہور تھا لیکن مسکن حامد آباد کے لئے ٹرین کے سفر کے لئے لیاقت پور اسٹیشن بتاتا۔علامہ ہزاروی صاحب نے لیاقت پور پہونچ کر باہر آکر پوچھا کہ حامد آباد جانا ہے۔لوگوں نے کہا حامد آباد تو کوئی جگہ نہیں اِلٰہ آباد ہے۔علامہ ہزاروی صاحب کی یہ فَراست (دانائی) ہی سمجھئے کہ فرمایا کہ: چلو اِلٰہ آباد ہی پہونچادو۔اِلٰہ آباد پہونچ کر پوچھا کہ: میں نے مولوی فیض احمد اویسی کے ہاں جانا ہے۔ فقیر ایک گمنام گوشہ نشین (خلوت نشین) ہے اسے اہل اِلٰہ آباد کیا جانیں جب کہ یہاں فقیر کا مسکن دس بارہ میل ایک ویران علاقہ میں ہے۔ ہزاروی صاحب کی یہ بھی فَراست ہے کہ لوگوں سے کہا کہ یہاں کے بڑے مولوی سے ملاؤ کیونکہ، **مولوی رامولوی میشناسد** (مولوی کو مولوی ہی جانتا ہے)۔لوگوں نے علامہ ہزاروی صاحب کو مولوی موسیٰ دیوبندی کے پاس پہونچادیا کیونکہ اس وقت اللہ آباد شہر ہی زیادہ مشہور تھا۔یہ تھا تو دیوبندی لیکن فقیر کو جانتا تھا اس لئے جب فقیر استاذ العلماء علامہ عبدالکریم صاحب اعوان رحمۃاللہ علیہ کے ہاں پڑھتا تھا ان کا مدرسہ بستی اعوان، اللہ آباد کے تین میل مغرب کو واقع تھا۔ فقیر طالب علمی سے ہی بد مذاہب کے چھیڑنے کا عادی تھا یہ مولوی عیسیٰ اللہ آباد میں فتویٰ نویسی کرتا تھا۔اس کے بعض فتاویٰ فقیر کی نظر سے گذرتے تو اس کے غلط فتاویٰ کی بھرپور تردید کرتا اور وہ فقیر سے سخت نالاں (تنگ) تھا۔اسی تَعارف سے علامہ ہزاروی کو کہا کہ: مولوی فیض احمد اویسی کا نام تو میں جانتا ہوں لیکن اس کے مسکن کا علم نہیں۔اس نے فقیر کے استاذ علامہ عبدالکریم صاحب اعوان کا بتایا تو علامہ ہزاروی فقیر کے استاذ صاحب کے ہاں حاضر ہوئے۔انہوں نے ہی کسی ذریعہ سے فقیر کے ہاں پہونچادیا۔

**تعارف حامد آباد:** مفتی ہزاروی صاحب کا حامد آباد پہونچنا ایک بڑا جہاد ہے اس لئے حامد آباد گاڑی کی لائن سے اٹھارہ میل اور جرنیلی سڑک سے دو میل دور۔اور اس کے گردونَواح (اطراف) میں جنگل ہی جنگل۔ لیکن الحمدللہ فقیر کے مدرسہ کے اِفتِتاح (آغاز) کے بعد بڑے بڑے فُضَلَاء زیرِ تعلیم رہے جو اس وقت مختلف مدارس میں شیخ الحدیث، شیخ القران، مفتی، مقرِّر، خطیب شُعلہ بیان اور اہلِ قلم بلکہ سب کچھ ہیں۔ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۷ء تک مسلسل فقیر نے یہاں پڑھایا۔۱۹۶۷ء میں بہاولپور قلبِ مکانی یعنی ہجرت کی۔

**فقیر اویسی غُفِرلہٗ کا ایثار:** فقیر نے حامد آباد میں ۱۹۵۲ء میں تعلیمی وتدریسی کام شروع کیا لیکن کبھی تبلیغ کے لئے باہر بھی چلا جاتا۔ایک علاقہ خانپور کٹورہ میں جانا ہوا۔بعدِ فَراغَت اَز تقریر (تقریر سے فارغ ہونے کے بعد) معلوم ہوا کہ حضرت مولانا غلام نازک بن بلبل باغ فرید حضرت مولانا محمد یار (رحمۃ اللہ علیہما) اسٹیشن خانپور پر اُتریں گے۔ فقیر کو بزرگوں کی زیارت کی طالبعلمی سے عادت تھی۔اسٹیشن خانپور (کٹورہ) پہونچا تو مولانا صاحب پلیٹ فارم پر ایک خادم کے ساتھ کھڑے ہیں۔ان کے سامان کے دو بڑے نگ ہیں جنہیں پلیٹ فارم کے باہر لے جانا ہے۔ فقیر اس دور میں سُرخ فریدی رومال کاندھے پر رکھتا تھا۔انہوں نے

مجھے اپنا مرید یا کم از کم حضرت خواجہ غلام فرید کے حلقہ فریدی سے منسلک سمجھ کر فرمایا مولوی ایک نگ آپ اٹھالیں دوسرا میرا خادم۔ فقیر نے بِلا تامل(بغیر دیر کئے) نگ اٹھایا اور پلیٹ فارم سے باہر تانگہ پر رکھ کر الوداع کہہ کر اپنے گاؤں چلا گیا۔

حضرت مولانا غلام نازک صاحب جونہی قیام گاہ میں پہونچے تو باتوں باتوں میں فقیر کا ذکر آگیا۔ خانپور کے معززین نے فقیر کا تعارف نہایت احسن طریق سے کرایا ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس وقت علاقہ میں اہلسنّت کا ایک یہی دار العلوم ہے جس میں درسِ نظامی کی تعلیم محنت سے ہو رہی ہے اور مُنتہی (علم و ہنر میں کامل) طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ حضرت سراج الحُفّاظ علامہ حافظ سراج احمد صاحب (خانپور) کے صاحبزادہ مولانا مختار احمد دُرّانی بھی یہاں زیرِتدریس ہیں۔

حضرت مولانا غلام نازک صاحب رحمۃاللہ علیہ فقیر کی سادگی اور ایثار سے ایسے متاثِر ہوئے کہ اپنے دو صاحبزادگان مولانا غلام فخر الدین و مولانا غلام نظام الدین کو گڑھی اختیار خان سے کار پر بٹھا کر حامد آباد کے دار العلوم میں تعلیم کے لئے چھوڑا اور وہ کافی عرصہ فقیر کے ہاں زیر تعلیم رہے اور حضرت مولانا غلام نازک صاحب (رحمۃاللہ علیہ) باوجودیکہ عام جلسوں میں بہت کم شرکت فرماتے لیکن فقیر سے شفقت فرماتے ہوئے فقیر کے دار العلوم کے جلسہ میں ایک دفعہ تشریف لائے اور زندگی بھر فقیر کے ساتھ بزرگانہ شفقت فرماتے رہے۔ ان کے چھوٹے صاحبزادہ غلام قُطب الدین کم عمر تھے لیکن بعد کو اپنے بھائیوں کے اُنس سے ایک سبق فقیر سے پڑھ ہی لیا۔

**فائدہ:** یہ طویل (لمبی) داستان فقیر نے اس لئے پیش کی ہے تاکہ عوامِ اہلِ اسلام کو ایثار و ہمدردی کی اہمیت ذہنوں میں مرکوز (بیٹھا) ہو۔

افسوس صد افسوس! اتنے گہرے تعلقات کے باوجود غلام قطب الدین دَرسی کُتُب سے فارغ ہوا پھر وہ اپنے باپ دادا کے مُصلّٰی کا جانشین ہوا لیکن افسوس کہ وہ اپنے خاندانی ادب و نیاز مندیٔ اولیاء سے محروم (نامراد) ہو گیا اس وقت وہ طاہر القادری کا دایاں ہاتھ بنا پھرتا ہے اور حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے خلاف زہریلی کتاب "اقوال الاکابر" پر تقریظ لکھ ماری۔ آگاہ کرنے کے باوجود بضد ہے۔ کاش آج بُلبُلِ باغِ فرید حضرت مولانا محمد یار گڑھی اختیار زندہ ہوتے پھر میں دیکھتا کہ قطب الدین کس طرح گستاخوں کے ساتھ رشتہ جوڑتا۔ حضرت مولانا محمد یار رحمۃاللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جونہی حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ادب سے اتنا سر جھکاتے کہ چہرہ زمین کو مَس کرتا (چہرہ زمین کو چھو جاتا) اور یہ ناخَلف (نافرمان) کا حال ہے کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے گستاخِ زمانہ کی تائید و تصدیق کر رہا ہے اور دوسری طرف طاہر القادری کے ہاتھ مضبوط کر رہا ہے۔

عجب رنگ ہیں زمانے کے

**نوشیروان کا ایثار:** تاریخ شاہد (گواہ) ہے کہ نوشیروان نے ایک ایسا عالی شان، پُر شکوہ اور پُر جلال محل تعمیر کیا اور اس کی تزئین و آرائش اس طور پر کی گئی کہ دنیا میں کسی نے دیکھی نہ سنی۔ محل مکمل ہوا تو بادشاہ کو اس امر کی اطلاع دی گئی۔ وہ مصاحبوں (ہم نشینوں) اور وزیروں کے ہمراہ محل پہنچا۔ وہ اس کے ایک ایک گوشے کو نگاہِ حیرت اور احساسِ مسرت سے دیکھنے میں مگن تھا کہ اچانک اس نے اپنے مُقَرَّبِین (قریبی لوگوں) سے پوچھا: آپ لوگوں کا خیال ہے! اس محل میں کوئی خامی تو باقی نہیں رہ گئی۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا بادشاہ سلامت! ربِ کائنات آپ کا اِقبال ہمیشہ بلند رکھے۔ یہ محل تو ایسا ہے کہ چشمِ فلک نے آج تک اس جیسا نہیں دیکھا ہوگا۔ اس کی رَعْنَائی (خوبصورتی) و زَیبائی (تزئین و آرائش) آنکھوں کو خِیرہ (حیرت زدہ) اور دل و دماغ کو مُعَطّر (خوشبودار) و مُنَوَّر (درخشاں) کئے دیتی ہے۔ مگر عالی پناہ! اس میں

ایک نُقص(خامی) ضرور ہے وہ یہ کہ اس کے ایک کونے میں ایک جھونپڑی ہے جس کے رَوزَن(روشن دان) سے صبح وشام دھواں نکل کر محل کے ایوانوں کو گدلا کررہا ہے اس جھونپڑی کو یہاں سے ختم کردیا جائے تو پھر یہ محل بالکل بے داغ اور بے نقص ہو جائے گا۔ بادشاہ کچھ دیر خاموش رہا...... پھر اس نے مہرِ سُکُوت(خاموشی کو) توڑا تو بولا: صاحبو! یہ جھونپڑی ایک بڑھیا کی ہے جس نے اپنی تمام عمر اسی میں بسر کی ہے اب وہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے۔ میں نے اس محل کی تعمیر کی ابتدا کے وقت اس بڑھیا کو کہلا بھیجا تھا کہ جھونپڑی کی یہ جگہ میرے ہاتھ بیچ دے اور منہ مانگی قیمت لے لے۔ اگر یہ بات اسے منظور نہیں تو میری پوری سلطنت میں جہاں کہیں بھی وہ چاہے اور جس قسم کا بھی اعلیٰ مکان چاہے اس میں اپنا ڈیرہ جمالے۔ بادشاہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا مگر میری اس پیش کش کا بڑھیا نے یہ جواب دیا کہ اے حاکمِ وقت ! یہ جگہ میری ملکیت ہے میں یہیں پیدا ہوئی اور یہی مروں گی یہ جیسی بھی ہے لیکن میں اس سے مانُوس (خوگر) ہوگئی ہوں۔ میں جب یہ دیکھ کر تیرے پاس اتنا بڑا ملک ہے برا نہیں مناتی اور تجھے کسی اور جگہ بنانے کو نہیں کہتی تو پھر تُو اس غریب بڑھیا کی کٹیا کو دیکھنا گوارا(پسند) کیوں نہیں کرتا۔

بڑھیا کی اس بات نے مجھے ازحد متاثر کیا اور میں خاموش ہوگیا حتیٰ کہ محل تعمیر کے مراحل سے ہوتا ہوا تکمیل تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے مزید بتایا کہ اب جو اس بڑھیا کی کٹیا سے دھواں نکل کر محل کو داغدار کرنے لگا تو میں نے پھر اسے پیغام بھیجا کہ اے بڑھیا! دھواں کیوں نکالتی ہے ؟

کہنے لگی کھانا پکاتی ہوں۔ میں نے اس کے لئے بھنے مرغ اور اعلیٰ پکوان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اے اماں! میں روزانہ تجھے قِسم قِسم (طرح طرح) کے کھانے بھیجتا رہوں گا تو اپنی جھونپڑی میں آگ جلانا چھوڑدے۔ میرے ان کھانوں کو بڑھیا نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ اے بادشاہ! ملک میں کتنے لوگ فاقہ زَدہ(بھوک کے مارے) ہیں اور سوکھی روٹی کے ایک نِوالے کو ترس رہے ہیں اور میں بُھنے ہوئے مرغ کھاؤں یہ کہاں کا اِنصاف ہے۔

ربِ ذوالجلال سے ڈرتی ہوں کہ ۷۰ سال تک جَو کی روٹی کھائی اور اب آخری عمر میں بھنے ہوئے مرغ کھاؤں۔ بڑھیا نے مزید کہا اے بادشاہ! میری کٹیا کو قائم رہنے دے کیونکہ یہ تیرے عدل کی گواہی دے گی۔ اُمراء حاکم جب یہ دیکھیں گے کہ تو نے ایک غریب بڑھیا کی جھونپڑی پر ہاتھ ڈالنا پسند نہیں کیا تو وہ بھی رعایا کی اَملاک(ملکیت) پر قبضے سے باز رہیں گے۔ نیز محل اس ناپائیدار دنیا میں ایک عرصہ کے بعد ویران ہو جائے گا مگر میری کٹیا کی کہانی تیرے عدل کی شہادت قیامت تک دیتی رہے گی۔ بادشاہ نے اپنے مصاحبین کو مزید بتایا کہ مجھے بڑھیا کی یہ بات بہت پسند آئی اور یوں میں نے بڑھیا کی کٹیا کو یہیں رہنے دیا تاکہ تاریخ میں یاد رکھا جائے گا کہ نوشیروان بادشاہ اور غریب بڑھیا آپس میں قریبی ہمسائے تھے۔[52]

**سلطان شیر شاہ سوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایثار:** ایک دن شام کے وقت سلطان سوری رحمۃاللہ علیہ حکومت کے قاضی القضاۃ(چیف جسٹس) مولانا رفیع الدین کے ساتھ مسجد سے باہر نکلا۔ جب سڑک پر آئے تو سامنے سے فیلِ مَست(مست ہاتھی) آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ دیکھ کر مولانا مرحوم شیر شاہ کے آگے چلنے لگے مگر شیر شاہ نے یہ کہہ کر انہیں اپنے پیچھے رکھا اور کہا حضرت مولانا اگر ہاتھی مجھے مار ڈالے گا تو کوئی سردار میری جانشینی کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن اگر آپ کو گزَنْد(نقصان) پہونچ گیا تو میری ساری مملکت میں دوسرا مولانا رفیع الدین نہیں ہے۔

[52] (احکام التاریخ المعروف محبوب السلاطین، 1/32تا33، مطبع نامی روکش، 1983م)

**خاتمہ:** انسان کو ایثار وہمدردی سے مانع(روکنے والا) یا تواپنا نفس ہے یا حُبِّ دنیا(دنیا کی محبت)، نفس کا مقابلہ توایک سخت ودشوار کام ہے۔ بہت بڑے بڑے اولیاء کرام اس کے مقابلے سے تھرّاتے(کانپتے)ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے — سونے والو جاگتے رہیو' چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چُرالیں' یاں وہ چور بلا کے ہیں — تیری گٹھڑی تاکی ہے اور تونے نیند نکالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے' یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا — ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے
سونا پاس ہے' سونا بن ہے' سونا زہر ہے اٹھ پیارے — تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے
جگنو چمکے' پتا کھڑکے' مجھ تنہا کا دل دھڑکے — ڈر سمجھالے کون پَوَن ہے یا آگیا بے تالی ہے
بادل گرجے بجلی تڑپے' دھک سے کلیجہ ہو جائے — بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے
ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے — پھر جھنجھلا کر سر دے پٹکوں چل رے مولا والی ہے

ان اشعار کی شرح کے لئے فقیر کی "شرح حدائق" پڑھئے۔

حُبِّ دنیا تو "راس کل خطیہ" ہے بہت بڑے جگر گردہ کا کام ہے۔ کئی لوگ اس میں ایسے پھنسے کہ اس سے جان چُھڑانا مشکل ہو گیا صرف ایک واقعہ حاضر ہے۔

**ثعلبہ کاواقعہ:** تفاسیر میں ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے آنحضرت (ﷺ) سے عرض کیا "دعا کیجئے! اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے۔ "آنحضرت(ﷺ) نے فرمایا۔"ثعلبہ ! تھوڑا مال جس کا شکر ادا کر سکو اس زیادہ سے بہتر ہے جس کی تجھے طاقت نہ ہو"اس نے دوبارہ یہی درخواست کی۔ آپ(ﷺ) نے فرمایا"کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تیری حالت نبیُ اللہ(ﷺ) کی سی ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا کہ پہاڑ میرے ساتھ سونا اور چاندی بن کر چلیں تو چلنے لگتے۔"اس نے کہا۔ اگر آپ دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرمائے تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ آنحضرت (ﷺ) نے دعا فرمائی۔"اے اللہ ! ثعلبہ کو مال دے۔"اس نے کچھ بکریاں لیں وہ کیڑوں کی طرح بڑھنا شروع ہوئیں۔ مدینہ طیبہ میں اسے رہائش کی تنگی محسوس ہوئی۔ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر ایک میدان میں ڈیرے ڈال دئے، پہلے تمام نمازیں باجماعت مسجد نبوی میں ادا کیا کرتا تھا، اب ظہر اور عصر کے لئے آتا۔ باقی نمازوں میں جماعت سے غیر حاضر رہنے لگا۔ بکریوں میں مزید اضافہ ہوا تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر رہائش اختیار کرلی۔ اس کی بکریاں مکوڑوں کی طرح بڑھ رہی تھیں۔ اب اس نے جمعہ کی حاضری کو بھی خیر آباد(الوداع) کہا۔ البتہ جمعہ کے لئے آتے جاتے لوگوں سے مل کر حالات دریافت کرلیا کرتا۔ آنحضرت(ﷺ) نے ایک دن دریافت فرمایا کہ "ثعلبہ کو کیا ہوا؟"عرض کیا گیا یارسول اللہ(ﷺ) !اس نے بکریاں لی تھیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے باہر چلا گیا اور اس کا پورا قصہ عرض کیا گیا۔ یہ سن کر آپ(ﷺ) نے تین دفعہ فرمایا:"یا ویح ثعلبہ""ہائے ثعلبہ کی ہلاکت"۔ اسی دوران میں آیت خُذْ مِنْ

اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً[53] نازل ہوئی۔ اور آنحضرت (ﷺ) پر فَرَائِض صدقہ زکوٰۃ کی معین مَقَادِیر (مقدار) نازل ہوئیں۔ آنحضرت (ﷺ) نے صدقات کی وصولی پر ہر دو شخصوں کو مامور (متعین) فرمایا۔ ایک کا تعلق قبیلۂ بنی جہینہ سے تھا اور دوسرے کا بنی سلیم سے۔ آپ (ﷺ) نے ان دونوں صاحبوں کو ایک خط بھی دیا۔ جس میں زکوٰۃ کی وصولی کی کیفیت بیان تھی یعنی کتنے مال پر کتنا صدقہ وصول کیا جائے گا اور کیسے مویشی زکوٰۃ میں لئے جائیں اور کیسے نہ لئے جائیں۔ اور آپ (ﷺ) نے ان دونوں صاحبوں سے فرمایا۔ "ثعلبہ کے پاس جاؤ اور بنی سلیم کے فلاں آدمی کے پاس۔ ان سے صدقہ وصول کر لاؤ۔" یہ دونوں شخص حسبِ ارشاد نبوی (ﷺ) ثعلبہ کے پاس آئے اور اس سے صدقہ کا مطالبہ کیا اور اسے آنحضرت (ﷺ) کا نامۂ مبارک (خط) دکھایا اس نے کہا:

"یہ تو محض ٹیکس (جزیہ) ہے یہ تو ٹیکس کی بہن ہے اچھا تم جاؤ فارغ ہو کر میرے پاس آنا۔"

یہ اب بنی سلیم کے آدمی کے پاس گئے۔ سلیمی صاحب کو کسی ذریعے سے پہلے ہی ان کے آنے کی اطلاع ہو چکی تھی چنانچہ اس نے بہترین اونٹ چھانٹ کر زکوٰۃ کے لئے الگ کئے پھر ان کا بڑی تکریم سے اِستِقبال کیا اور یہ اونٹ پیش کئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ قیمتی اونٹ نہ تم پر واجب ہیں نہ ہم ان کی وصولی کے مجاز ہیں۔ اس نے کہا آپ کو یہی اونٹ لینے ہوں گے اس لئے کہ یہ اونٹ آپ مجھ سے زبردستی وصول نہیں کر رہے بلکہ میرا مال ہے میں خوش دلی سے پیش کرتا ہوں۔ الغرض ان دونوں کو یہ اونٹ لے لینے پر راضی ہونا پڑا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ثعلبہ کے پاس دوبارہ آئے۔ ثعلبہ نے کہا مجھے اپنا خط دکھاؤ۔ خط دیکھ کر کہنے لگا یہ زکوٰۃ ٹیکس کی ہی بہن ہوئی، اچھا تم جاؤ میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔

یہ دونوں صاحب بارگاہِ نبوی (ﷺ) میں حاضر ہوئے۔ آپ (ﷺ) نے ان کو دیکھتے ہی کسی قسم کی گفتگو کئے بغیر فرمایا: **یاویح ثعلبه**، یعنی "ثعلبہ ہلاک ہوا"۔ اور سلیمی صاحب کے لئے دعائے برکت فرمائی۔ آپ (ﷺ) کو بذریعۂ وحی اطلاع ہو چکی تھی۔ ان صاحبان نے ثعلبہ اور سلیمی کا پورا قصہ سنایا اور ادھر اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کے حق میں آیات نازل فرمائیں۔

اس موقع پر آنحضرت (ﷺ) کے پاس ثعلبہ کا کوئی عزیز قریب ہی موجود تھا اس نے جب یہ آیتیں سنیں تو ثعلبہ کے پاس گیا اور کہا تو برباد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ ثعلبہ (بدنامی سے گھبرایا ہوا) آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تیرے صدقہ کے قبول کرنے سے مجھے منع فرما دیا''۔ یہ سن کر سر میں خاک (مٹی) ڈالنے لگا۔ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا یہ تیرا اپنا کردار ہے۔ میں نے تجھے حکم دیا تھا لیکن تو نے میرا کہا نہ مانا۔ جب آنحضرت (ﷺ) نے صدقہ لینے سے انکار کر دیا تو یہ شخص اپنے گھر جا بیٹھا۔ آنحضرت (ﷺ) نے تاحینِ حیات (جب تک ظاہری طور پر حیات رہیں) اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا۔ پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حاضر ہوا اور کہا آپ جانتے ہیں آنحضرت (ﷺ) کے نزدیک میری کتنی منزِلَت (عزت) تھی اور انصار میں میرا کتنا مرتبہ ہے میرا صدقہ قبول کیجئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آنحضرت (ﷺ) نے قبول نہیں فرمایا میں قبول کر لوں؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی تمام دورِ خلافت میں اس کا صدقہ قبول نہیں فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو یہ آپ کی خدمت میں آیا اور کہا میرا صدقہ قبول کیجئے۔ آپ نے فرمایا نہ آنحضرت (ﷺ) نے قبول فرمایا نہ

---

[53] سورۃ التوبۃ : 103 خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ

ترجمہ: اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل (وصول) کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میں بھی قبول نہیں کر سکتا۔ آپ نے بھی تمام عمر قبول نہ کیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے تو ان کی خلافت میں بھی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا نہ آنحضرت (ﷺ) نے یہ صدقہ قبول فرمایا نہ ابو بکر نے نہ عمر نے (رضوان اللہ علیہما) اس لئے میں بھی قبول نہ کروں گا۔ چنانچہ آپ نے بھی قبول نہ کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ واصلِ جہنم ہوا۔[54]

(تفسیر ابن جریر، ج ۱۰ صفحہ ۲، روح البیان وروح المعانی وغیرہ)

**انتباہ**: مال کی فراوانی (کثرت) کی طلب کا مرض انسان کو قدیم (ایک عرصۂ دراز) سے رہا ہے لیکن آج "ترقی" کے خوش کن عنوان سے جُوعُ البَقَر (گائے کی بھوک) کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ آج اسی ترقی زر ومال (مال ودولت کی ترقی) کے لئے دینی تحریف (تغیر وتبدل) کو واجب ٹھہرایا جانے لگا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایثار بمعنی اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دینا اور یہ حضور نبی پاک (ﷺ) کے بعد اُمتِ مصطفی (ﷺ) میں صحابہ کرام میں بِطریقِ اَتم واَکمل پایا جاتا تھا۔ ہر شعبہ میں ان کا ایثار مشہور ومعروف ہے بالخصوص موَاخَات (بھائی چارہ) میں ایسا ایثار کا مظاہرہ کیا کہ جس انصاری صحابی کے پاس دو عورتیں تھیں تو اس نے ایک عورت کو طلاق دے کر مہاجر ساتھی کے نکاح میں دیدی۔

فقیر نے بطور نمونہ ہر شعبہ کے حضرات کے واقعات پیش کئے ہیں تاکہ اہل اسلام کسی بھی شعبہ سے متعلق بزرگ کے واقعہ سے متاثر ہو کر ایثار جیسے اَخلاق سے خود کو مُزین (آراستہ) کر سکیں۔ مولیٰ عزوجل سے دعا ہے کہ فقیر کی یہ کاوِش قبول فرما کر آخرت کا توشہ (توشۂ آخرت) بنائے اور ناشرین کو ان کی محنت کا صلہ، دارین کی فلاح وبہبود عطا فرمائے اور عوامِ اہلِ اسلام کے لئے مشعلِ راہِ ہدایت بنائے۔ (آمین)

بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

[54] (روح البیان، سورۃ التوبۃ تحت آیت 75، 3/ 469 الی 470، دار الفکر بیروت)